''ٹیولپ''

''زندگی ایک ساحر ہے اور ہم اس کا ''جادو''۔

وہ زندگی میں کوئی عظیم کارنامہ انجام نہیں دینا چاہتی تھی' وہ تو بس اپنے شہر شکاگو سے ''نیویارک'' شفٹ ہو جانا چاہتی تھی۔ اسے نیویارک میں رہنے (ذلیل ہونے) اور پڑھنے (آوارہ گردی) کا شوق تھا۔ اس شوق کو پورا کرنے کے لیے اس نے گدھوں کی طرح کام کیا تھا۔ آندھی' طوفان' بارش' برف باری' بیماری' اس نے کبھی ایک بھی دن جاب سے آف نہیں لیا تھا۔ وہ نیوز پیپر ڈیلیور کرتی تھی۔ ایک سال چھ ماہ اس نے فوڈ بھی ڈلیور کیا تھا۔ ایک ریسٹورنٹ میں وہ ڈش واشر بھی رہی تھی۔ ہفتے میں ایک دن' ایک بلڈنگ کی صفائی کا کام بھی کرتی تھی۔ ویک اینڈ پر تو وہ ڈبل شفٹ میں کام کرتی رہی تھی۔

وہ اپنے گھر کے اس تہہ خانے سے نکل جانا چاہتی تھی جس میں وہ پچھلے پندرہ سالوں سے رہائش پذیر تھی۔ نہیں وہ کوئی ایسی بے چاری اور مظلوم سی لڑکی نہیں ہے۔ وہ تہہ خانے میں اس لیے بھی رہائش پذیر نہیں ہے کہ اس کی سوتیلی ماں نے اسے اُوپر کوئی کمرہ نہیں دیا تھا۔ اور وہ اس سے دن بھر گھر بھر کے کام کرواتی ہے' کھانے کے لیے بچا ہوا کھانا دیتی ہے' اور فارغ وقت میں اسے خواہ مخواہ مارتی پیٹتی رہتی ہے۔

وہ وہاں اس لیے تھی کہ وہ اپنی چھوٹی سگی بہن کے ساتھ کمرہ شیئر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بھائی کے منہ لگ کر اس سے اس کا کمرہ لینا نہیں چاہتی تھی۔ سگے ماں باپ اس کے لیے نیا گھر خرید نہیں سکتے تھے۔ اس لیے وہ اپنے خوابوں کو سینے سے لگا کر' سامان اٹھا کر نیچے آ گئی تھی اور وہاں اپنا جہاں آباد کر لیا تھا۔

اس جہاں میں معمولی نوعیت کا زلزلہ اس وقت آیا جب اس کا چھوٹا سا ایکسڈینٹ ہوا اور اس کا پیر فریکچر ہو گیا تھا۔

''تم جا نہیں رہیں نیویارک؟'' ماما نے اپنی ہنسی چھپا کر اس سے پوچھا تو اس نے غصے سے اپنا منہ تکیے میں دے لیا تھا۔ ہر بندہ اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔ جیسے اس نے کوئی انہونا ہی خواب دیکھ لیا ہو۔

دس دن کے بیڈ ریسٹ کے بعد وہ لنگڑا کر کالج تو جانے لگی تھی' لیکن اپنی جاب پر نہیں جا سکی تھی۔ وہ فکرمند تھی۔ اگر وہ یونیورسٹی کی فیس کے پیسے جمع نہیں کر سکی' تو وہ کیا کرے گی۔ اسے گیپ دینا ہوگا۔ گیپ کا مطلب تھا کہ اسے اس گھر' اس تہہ خانے میں ایک اور سال گزارنا ہوگا۔ باہر دنیا کہاں کی کہاں پہنچ جائے گی اور وہ یہاں اکیلی سڑتی رہے گی..... لوگ کیا کہیں گے..... دنیا کیا سوچے گی.....

''تمہارے دماغ کے پرزے ڈھیلے ہو گئے ہیں' وقت نکال کر انہیں فکس کروا لو۔'' لوگ یہ کہہ رہے تھے۔ یعنی اس کے گھر والے۔ اس کے سگے والے پاپا۔

''پتا نہیں کس طرح کے خوابوں کی دنیا میں رہتی ہو تم۔ تمہیں کیا لگتا ہے کہ کوئی جادو ہوگا اور تمہارے سب خواب پورے ہو جائیں

گے ۔تم بے وقوف بھی اور نکمی بھی.....'' دنیا یہ سوچ رہی تھی ۔اس کی سگی والی ماں.....

ویسے جتنی باتیں اس بے چاری نے سن لی تھیں' چھوٹے موٹے ''جادو'' کو اس کی زندگی میں آجانا چاہیے تھا۔خیر۔دو ماہ بعد اس نے جیسے تیسے پھر سے جاب شروع کر دی تھی ۔پاپا نے کہا بھی تھا کہ وہ خود کو ہلکان نہ کرے' وہ اس کی فیس دے دیں گے ۔لیکن اس نے ناں میں سر ہلا دیا۔اس لیے نہیں کہ وہ بہت غیرت مند تھی' اور باپ سے پیسے لینا اسے گوارا نہیں تھا۔ بلکہ اس لیے کہ پاپا اسے پیسے دیتے تو دوسرے شہر جانے سے روک بھی لیتے ۔وہ جذباتی طور پر اچھی طرح سے بلیک میل کر لیتے تھے۔وہ جذباتی طور پر بری طرح سے بھی بلیک میل نہیں ہونا چاہتی تھی ۔

اس کہانی کا ہیرو ''نیویارک'' نہیں ہے ۔نہ کہانی کا تعلق اس کے پیر کے فیکچر ہونے سے ۔فی الحال اس کہانی میں ایک عدد جپسی آرہی ہے' آپ اس پر توجہ دیں.....

''اوہ!تم آ گئیں ۔بہت انتظار کروایا تم نے؟'' دروازہ کھول کر وہ دو' تین سیکنڈ تو حیران ہی کھڑی رہی ۔پھر چہک کر بولی ۔یعنی وہ کچھ اتنا زیادہ چہک پہک گئی تھی کہ اس کے گلے میں پڑے موتی' منکے' اور پتھر جھولنے لگے تھے اور کافی شور پیدا ہو گیا تھا۔

''آپ کا آڈر.....'' اس نے پیزا باکس اس کے سامنے کیا۔وہ صرف تین منٹ لیٹ تھی' اور میڈم کہہ رہی تھیں کہ بہت انتظار کروایا۔اس کا منہ بن گیا۔اب یہ میڈم کھلے پیسے لینے اندر جائیں گی تو پورے تیس منٹ لگائیں گی ۔

''اندر آجاؤ.....''

وہ دروازے سے ہٹ کر کھڑی ہو گئیں اور بہت بڑی ساری مسکراہٹ چہرے پر سجا کر اسے دیکھا۔اسے اندر جانا تو نہیں تھا لیکن اس کا زخمی پیر ابھی پوری طرح سے ٹھیک نہیں ہوا تھا' اور وہ کچھ دیر بیٹھ بھی جانا چاہتی تھی ۔دل تو اس کا یہ بھی تھا کہ جپسی کو اپنا ہاتھ دکھائے اور پوچھے کہ ''کہ میں کب تک بیس پچیس کروڑ ڈالرز کی مالکن بن جاؤں گی؟ بس میں پیسے کی فکر سے آزاد ہو جانا چاہتی ہوں تا کہ دل کھول کر انسانیت کی خدمت کر سکوں۔''

''میرا خیال ہے جلد ہی تمہیں انسانیت کی خدمت کا ایک موقعہ ملنے والا ہے ۔یہ لو..... یہ اب تمہارا ہے.....''

جپسی نے ایک چھوٹا سا رول اس کے سامنے کیا' جو کہ پرپل ربن سے بندھا ہوا تھا۔وہ جیسے کانووکیشن پر ڈگری نہیں ملتیں' ویسے ۔چونکہ وہ جپسی تھی اور اس کے گھر میں ادھر ادھر کچھ جادوئی چیزیں بھی بکھری ہوئی تھیں' تو اس نے بہت شوق سے اس رول کو پکڑا' ربن کھولا اور اسے دیکھا۔وہ چھوٹے سائز کا موٹا' کھردرا' ہلکے بھورے رنگ کا موٹا سا کاغذ تھا۔پہلی نظر میں وہ اڑے ہوئے رنگ کا چمڑا لگتا تھا۔ہاتھ لگانے پر محسوس ہوتا تھا کہ وہ کوئی قدیم سا کاغذ ہے' جو فرعون کے مقبرے میں سے برآمد ہوا ہے ۔یعنی فرعون کی ممی کے پہلو میں سے ۔اسے مایوسی سی ہوئی ۔

''یہ سنبھال کر رکھ لو.....'' جپسی اس کے سامنے بیٹھ گئی اور مسکرا کر کہنے لگی ۔

''مجھے آڈر کے پیسے چاہیے..... یہ تم مجھے کیا دے رہی ہو.....''اس کی مسکراہٹ غائب کر کے جیسی کیسے مسکرا سکتی تھی۔اس کا خیال تھا کہ وہ رول کھولے گی اور کسی جادوئی دنیا میں پہنچ جائے گی۔لیکن وہ تو وہیں کی وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

جیسی کچھ دیر تک اس کے چہرے کے تاثرات کو بھانپتی رہی۔''تمہیں لگتا ہے کہ میں تم سے کوئی مذاق کر رہی ہوں؟''

''تم میرا مذاق بنا رہی ہو۔تم شاید بہک گئی ہو..... کیا تم نشے میں ہو.....؟''

وہ ہنسی۔''اچھا اس پر اپنا ہاتھ رکھو..... ہتھیلی کھول کر پوری.....''

''اوہ اچھا! میں جیسے ہی اس پر اپنا ہاتھ رکھوں گی' اس میں سے ایک الہ دین کا چراغ ابھر آئے گا۔پھر میں اسے رگڑوں گی' اور ایک جن برآمد ہو گا اور میری ہر خواہش پوری کر دے گا..... ہے نا؟''وہ جیسی کا مذاق اڑا رہی تھی۔

''جن لوگوں کی ہر خواہش پوری ہوتی ہے وہ بہت بدنصیب ہوتے ہیں۔خوش نصیب تو وہ ہے' جو کہیں نہ کہیں سے ادھورا ہے۔''

''تم یہ بدرنگا کاغذ مجھے کیوں دے رہی ہو؟ کس خوشی میں؟''

''کیونکہ اس کاغذ کی مالک اب تم ہو.....''

''اور یہ تمہیں اس کاغذ نے بتایا ہے؟؟''اس نے قہقہہ لگایا

''ہاں..... میں پچھلے نو دنوں سے اپنے گھر میں بند ہوں۔مجھ سے جو بھی پہلا انسان ملتا' یہ کاغذ اس کا ہوتا۔ویسے میں اس کاغذ کو ٹیولپ کہتی ہوں۔مجھے یہ پھول بہت پسند ہے۔چاہو تو تم بھی اسے یہی کہہ لو.....''

''تم نے خود مجھے فون کر کے بلایا ہے میڈم! میں پیزا ڈیلیور کرنے آئی ہوں۔''

''اپنا نوٹ پیڈ نکالو اور ایڈریس پڑھو.....''جیسی نے ٹانگ پر ٹانگ رکھی اور پانچ انگلیوں میں موجود سات انگوٹھیوں کو دیکھنے لگی۔

گردن کو تمسخر سے ہلکا سا جھٹکا دے کر اس نے نوٹ پیڈ نکالا۔ایڈریس پڑھا اور ایکدم سے اس کے منہ سے اوہ نکل گیا۔وہ ایڈریس ساتھ والی بلڈنگ کا تھا۔''زیرو ٹو فور''فلیٹ کا ایڈریس تھا۔وہ جلدی سے اٹھی اور دروازے تک جا کر فلیٹ کا نمبر پڑھا جو''فور زیرو ٹو ''تھا۔

جیسی نے سوالیہ آنکھ اچکائی کہ ہاں ہو گئی تسلی۔پھر جیسی نے اس کے ہاتھ سے ٹیولپ لے کر اسے رول کیا۔ایسے ہی دو تین قدم وہ مٹک مٹک کر چلی..... پھر اس کے منہ کے سامنے لا کر اس رول کو کھول دیا۔

ٹیولپ پر اس کی تصویر بنی ہوئی تھی.....

''تم کوئی شعبدہ باز ہو..... جادوگر ہو..... تم جیسے لوگوں کو ایسے گر بہت آتے ہیں۔''وہ بہت حیران ہوئی تھی۔

''میں ایک معمولی سی عورت ہوں۔جس کا دل اور نیت دونوں صاف ہیں۔اب یہ ٹیولپ تمہارا ہے' اسے ساتھ لے جاؤ۔''

''میں اس کا کروں گی کیا؟ یہ کیا کیا کر سکتا ہے؟ کون کون سے جادو ہیں اس کے پاس؟؟''اصل فکر بس اسے جادو کی تھی۔

جیسی نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔''یہ تمہیں خود معلوم ہو جائے گا۔میں نے اسے بیمار روحوں کو شفاء دینے کے لیے

استعمال کیا تھا۔ بیمار اور بھٹکے ہوئے لوگ میرے پاس آتے تھے اور میں اس پر ان کا نام لے کر اسے فولڈ کر دیتی تھی۔ جب کھولتی تھی تو کوئی نہ کوئی حل لکھا ہوا نظر آ جاتا تھا۔''

''ٹویٹر کی دنیا میں تم کیسی ٹوٹی پھوٹی باتیں کر رہی ہو؟'' اس نے منہ بنایا۔

''فیس بک کی دنیا میں تم کیسے عجیب و غریب فیس بنا رہی ہو۔'' جپسی نے قہقہہ لگایا۔

''اگر یہ تمہارے کام کا ہے تو تم کسی اور کو کیوں دینا چاہتی تھی۔''

''کیونکہ اس نے میرے لیے کام کرنا بند کر دیا ہے۔ اس کا مطلب صاف ہے' اب یہ کسی اور کے کام آنا چاہتا ہے۔''

''اچھا؟ ایسی جادوئی چیزیں بھی ہڑتال وغیرہ کرتی ہیں۔ ریزائن دیتی ہیں۔ جاب کو لات مار دیتی ہیں؟''

جپسی کا منہ بن گیا۔ ''تم اس کی توہین کر رہی ہو لڑکی!''

''تم مجھے ڈرا رہی ہو جپسی! مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔ کیا میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں؟''

''جو چیز انسان کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے' وہ اس پر یقین نہیں کرتا۔ یہ پکڑو' اور اس کا جو چاہے کرو۔ چاہو تو اسے جلا دو' چاہو تو پھینک دو۔ میں نے اپنی ذمہ داری پوری کی۔''

''تمہیں یہ کیسے ملا تھا؟'' اس نے رول پکڑ لیا تھا۔ اب ٹھوڑی کھجا رہی تھی۔

''ایسے ہی جیسے تمہیں مل رہا ہے۔''

''تو کیا یہ خزانہ ہے..... یا خزانے تک جانے کا نقشہ.....'' وہ اپنے آپ سے باتیں کرنے لگی تھی۔ جپسی نے اس کے پیچھے دروازہ بند کر لیا تھا۔ وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ سبا نے خواب دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں مستقبل کی چکاچوند سے چمک رہی تھیں۔ وہ بے چاری یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ ٹیولپ اسے کچھ نہیں دینے والا۔ اس کے سارے خواب چکنا چور ہو جانے والے ہیں۔ آنکھوں کی چمک دھندلی پڑ جائے گی' اور کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگے گی۔

ہر جادوئی چیز..... خزانے تک لے کر نہیں جاتیں.....

کچھ چیزیں ابوبکر تک بھی لے جاتی ہیں..... جو گونگا ہے..... اور..... اور.....

ٹیولپ اس کے سامنے رکھا ہوا تھا' اور وہ ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر اُسے بڑی محبت سے دیکھ رہی تھی۔ پیچھے آتش دان روشن تھا۔ کھڑکی سے باہر دھند کا بسیرا تھا۔ اسے پیسے چاہیے تھے اور وہ ہزار بار اس پر دس ملین ڈالر لکھ چکی تھی۔ پھر وہ پانچ ملین ڈالر پر آئی' آخر کار وہ ایک ہزار ڈالر سے ایک سو ڈالر تک آ گئی لیکن کچھ حاصل نہیں ہوا تھا۔ پھر اس نے سوچا کہ شاید پیپر ڈالر نہ دے سکے' پونڈ دے سکے' ورنہ ین' دینار' ریال' وغیرہ۔ لیکن وہ ایسا ڈھیٹ ثابت ہوا تھا کہ چونی اٹھنی' سکہ' کھوٹا سکہ تک دینے پر تیار نہیں ہوا تھا۔

''شاید اسے روپے پیسے سے نفرت ہے۔''

اس نے خود سے کہا اور اس پر برانڈڈ چیزوں کے نام لکھنے شروع کر دیئے۔اس نے ڈائمنڈ اور قیمتی پتھروں سے شروعات کی اور آخر کار ڈیزائنر ڈریسز پر آ کر رک گئی۔پھر جوتوں' بیگ' اور میک اپ پر آئی۔لیکن اسے پھر سے مایوسی ہوئی۔رات کے دو بج چکے تھے' اسے سو جانا چاہیے تھا۔لیکن اس کا خیال تھا اس رات کی صبح' ایک نئی صبح کے ساتھ ہونی چاہیے۔ایسی صبح جب سب کچھ بدل چکا ہوگا۔وہ سب کچھ حاصل کر چکی ہوگی۔لیکن فی الحال تو وہ ایک ٹافی بھی حاصل نہیں کر پائی تھی۔

پھر اسے خیال آیا کہ شاید یہ ٹیولپ لکھے ہوئے الفاظ نہ پڑھ سکتا ہو' بلکہ تصویروں کی زبان سمجھتا ہو۔تو اس نے ربڑ پنسل لے کر بڑی مہارت اور جانفشانی سے اس پر ''ڈالر'' کا اسکیچ بنا دیا۔اور بریکٹ میں لکھ دیا کہ مجھے یہ ڈالر ڈھیروں کے حساب سے دے دو۔لیکن پیپر شاید گونگا تھا' ورنہ اندھا.....ورنہ یقیناً ''سنگدل''۔(وہ عقل مند تھا)

ساری رات ایسے ہی گزر گئی۔وہ پھر بھی مایوس نہیں ہوئی تھی۔اس کا ماننا تھا کہ ٹیولپ کو سوچنے' سمجھنے کے لیے وقت چاہیے ہو گا۔پہلے وہ جیپسی کے ساتھ رہا تھا۔وہ اس کی نئی نئی دوست بنی ہے۔نئی دوست' اور اس کی ضرورتوں کو سمجھنے میں کچھ وقت تو لگے گا نا۔جو وہ اسے دے رہی تھی۔اور خود وہ سیدھی' الٹی' ترچھی' ہر پوز میں ساتویں آسمان پر اڑانیں بھر رہی تھی۔اور مشکل سے ہی زمین پر واپس آنے والی تھی۔

وہ ساتویں دن بھی ساتویں آسمان پر ہی رہی تھی.....

پنسل سے ٹیولپ پر ڈالر بناتی رہی تھی.....

''کیا بات ہے آج کل بہت خوش رہتی ہو؟'' ماما کو اس کی بے جا خوشی پر بڑی حیرت تھی۔

''بس وہ وقت آنے والا ہے کہ آپ کو مجھ پر فخر ہوگا.....گردن اکڑ کر چلا کریں گی آپ۔''

''دیکھنا اپنی گردن کسی شکنجے میں نہ اکڑوا لینا.....دھیان سے بیٹا.....ذرا دھیان سے.....خواب میں بھی اتنا زیادہ اونچا نہیں اڑتے کہ انسان دھڑام سے زمین پر آ گرے تو پاش پاش ہو جائے.....''

ایک ایک کر کے اسے سارے خواب پاش پاش ہو رہے تھے۔ٹیولپ ضدی تھا۔وہ ڈالر دینے پر تیار نہیں ہوا تو اس نے پنسل سے اپنی مطلوبہ چیزیں اس پر بنانی شروع کر دیں۔پہلے اس نے ایک بڑا سا گھر بنایا' پھر کار.....یعنی کاریں.....پھر گھر کی ضروریات کی چیزیں.....اس نے ایک عدد جیم کی بوتل تک بنا کر دیکھ لی لیکن کچھ حاصل نہیں ہوا۔ایک بار وہ اسے پھولوں کی دکان پر بھی لے گئی تھی۔اس کا خیال تھا کہ شاید یہ ٹیولپ اصلی ٹیولپ پھولوں میں گھر کر رہے تو کام کرنے لگے گا۔جیسے موبائل فون بجلی سے چارج ہونے کے بعد کام کرتا ہے۔گاڑی فیول ڈالنے کے بعد چلتی ہے۔یہ بھی پھولوں کی خوشبو سے چارج ہو کر کام کرنے لگے گا۔

وہ اس کے سب خوابوں کا کام تمام کر رہا تھا۔لیکن اس نے ابھی بھی ہمت نہیں چھوڑی تھی۔اسے یہ خیال بھی آیا تھا کہ شاید ٹیولپ یہ سب افورڈ نہیں کر سکتا۔تو اس نے کچھ چھوٹی چیزیں بنانی شروع کر دیں۔جیسے ایک عدد انڈا۔چاکلیٹ۔ایک عدد ہیر برش۔سردی بہت تھی تو گرم جرابیں' سویٹر' کوٹ.....اور.....اور.....ٹشو.....آنسو پونچھنے کے لیے۔

وہ مایوس ہونے والوں میں سے نہیں ہونا چاہتی تھی۔اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر ٹیولپ ایسی چھوٹی چھوٹی چیزیں بنا بنا کر دینے لگا تو بھی ٹھیک ہے۔وہ رات دن اس پر اسکیچ بنا بنا کر بہت کچھ اکٹھا کر لے گی اور ایک چھوٹی سی شاپ کھول لے گی۔پھر وہ چھوٹی سی شاپ ایک عدد بڑے اسٹور میں بدل جائے گی۔پھر ملک کے مختلف شہروں میں اس اسٹور کی ایک ایک برانچ کھل جائے گی۔پھر دنیا کے ہر ملک میں اس کے اسٹور کی ایک شاخ ہو گی.....پھر آہستہ آہستہ.....

آہستہ آہستہ وہ آسمان سے زمین پر واپس آنے لگی تھی۔سیدھی،الٹی،ترچھی،ہر پوز میں۔اور یہ ماننے لگی تھی کہ جیسی کا دماغ بہکا ہوا تھا' وہ اول فول پتا نہیں کیا کچھ کہہ گئی تھی اور اس نے اس کا یقین بھی کر لیا تھا۔تھوڑا بہت ہاتھ کی صفائی دکھا کر وہ اسے پاگل بنا چکی تھی۔

وہ پاگل تھی۔وہ ایک سادہ سا کاغذ تھا.....بس.....تھوڑا سا سخت سا تھا۔اس نے اسے پھاڑنے کی کوشش کی تو وہ پھٹا نہیں۔آتش دان میں جھونکا تو وہ غبارے کی طرح اُڑ کر باہر آ گیا۔اتنے جدید سائنسی دُور میں' ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔اس کا جی تو چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ساری دنیا کو اکٹھا کر لے.....دہائیاں دے.....ہنگامہ برپا کر دے.....بھلا یہ کیا بات ہوئی.....ایک مہینہ وہ کیسے کیسے خواب دیکھتی رہی تھی۔کیسی کیسی پلاننگ نہیں کر لی تھی اس نے.....لو بھلا.....یہ کیا بات ہوئی.....اس کے خوابوں پر نمک چھڑکنے کے لیے یہ ٹیولپ کہاں سے آ گیا تھا۔ویسے ہی زندگی میں شوگر کی کمی تھی۔

امیدوں پر پانی پھر گیا۔خوابوں کا گلستان اجڑ گیا.....ٹیولپ' ٹیولپ' ٹیولپ.....وہ چپ چاپ سارا تماشا دیکھتا رہا۔

وہ نیویارک آ چکی تھی' پاپا نے اسے پیسے دے دیئے تھے' اور جذباتی طور پر بلیک میل بھی نہیں کیا تھا۔لیکن اتنا ضرور کہا تھا۔

''بار بار فون کر کر کے ہم سے پیسے نہ منگوانا۔اتنے مہنگے شہر میں رہنے کے لیے جا رہی ہو۔قرض لینا یا بھیک مانگنا' لیکن ہمیں کچھ نہ کہنا۔''

اس کا منہ بن گیا لیکن وہ کیا کرتی۔اب کیا انسان خواب بھی نہ دیکھے.....

''کسی نہ کسی کو تو اس گھر سے باہر نکلنا ہی تھا۔پہلا قدم اٹھانا ہی پڑتا ہے پاپا!''

پاپا نے اس کے سر پر چماٹ ماری۔''تم کوئی پہاڑ سر کرنے نہیں جا رہیں۔نہ ہی تم ہجرت کر رہی ہو اور نہ ہی سرحد پر قوم و ملک کی حفاظت کے لیے جنگ لڑنے جا رہی ہو۔اپنے یہ لمبے لمبے ڈائیلاگ بولنا بند کرو۔''

اس نے لمبا سا سانس لیا اور چھوٹی سی آہ بھری۔بارش ہو رہی تھی۔وہ نیویارک کی سڑک کے اس طرف کھڑی ٹریفک سگنل کے بند ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔سر پر چھاتا تھا لیکن پھر بھی وہ تھوڑی سی بھیگ گئی تھی۔نیویارک واقعی میں ایک مہنگا شہر تھا۔اور پرہجوم بھی۔یہاں لوگ بہروں کی طرح چلتے ہیں۔اور اندھوں کی طرح بھاگتے ہیں۔

وہ کراسنگ پر تیزی سے بھاگتے ہوئے گزر رہی تھی کہ ایک اندھے سے ٹکرا گئی.....جی ہاں! اس کے سخت شانے سے ٹکرا کر وہ ایک پورا چکر گھوم کر دُور جا گری.....اس کے چھاتے نے دور جا گرنے میں اس کا بھی ریکارڈ توڑ دیا تھا.....شاید اس کا ٹخنہ بھی ٹوٹ چکا

تھا.....جس نے توڑا تھا وہ جاسوسی فلموں کے جاسوسوں کی طرح کالے کوٹ میں ملبوس اس کے سر پر کھڑا تھا۔بارش ہو رہی تھی لیکن اس کے ہاتھ میں کوئی چھتری نہیں تھی۔اس کے بال گیلے ہو کر اور سیاہ ہو چکے تھے.....بارش کی بوندیں اس کے بالوں اور پلکوں سے چھڑ رہی تھی۔سامنے اور پیچھے.....گاڑیوں کا اژدھام کھڑا اس پر سے گزر جانے کے لیے اشارہ کے کھل جانے کے انتظار میں تھا.....وہ اسے روند کر گزر بھی جائے گا۔کل کے اخبار میں بس ایک چھوٹی سی خبر آ جائے گی۔

''ٹریفک سگنل پر ایک لڑکی دل کا دورہ پڑنے سے دم توڑ گئی۔''

وہ اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے اس کی ایک عدد ''دم'' ہو۔وہ خاموش کھڑا تھا۔نہ منہ سے سوری کہا' نہ مدد کے لیے ہاتھ آگے کیا۔اور نہیں تو اس کا چھتا ہی اٹھا کر اسے دے دیتا۔

''اندھے ہو تو گھر رہو' مجھ جیسوں کو زخمی کر کے تمہیں کیا ملے گا؟''اس نے غصے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔وہ روہانسی ہو گئی تھی۔سارے کپڑے خراب ہو چکے تھے۔

وہ پھر بھی خاموش رہا۔اسے دیکھتا رہا۔ہاں البتہ اس کے چہرے پر ترحم نظر آنے لگا تھا۔

''کس قدر ظالم ہو تم۔مدد نہیں کر سکتے تو شرمندہ ہی ہو جاؤ۔ورنہ میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔''

اس نے کچھ ایسے چلا کر کہا تھا کہ وہ سہم گیا اور واقعی میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔(دفع ہو گیا)۔اشارہ کھلا تو اس نے ہاتھ بلند کر کے ایک اور چیخ ماردی۔''اسٹاپ.....اسٹاپ.....''اسے فلموں والے سین کری ایٹ کرنے میں بہت مزا آتا تھا۔اب وہ زخمی تھی' تو وہ اس کا بھرپور فائدہ کیوں نہ اٹھاتی۔وہ لنگڑا لنگڑا کر چلتی ہوئی' کراسنگ کراس کر گئی۔اپنے لیے اس نے ٹریفک کو روک کر رکھا ہوا تھا۔یہ موقعہ بھی بار بار نہیں ملتا۔اب وہ آئندہ زندگی میں بہت فخر سے کہہ سکتی تھی کہ اس کے لیے نیویارک کی ٹریفک پورے ''پانچ سیکنڈ'' تک رُکی رہی تھی۔

اگلے پانچ منٹ تک وہ لنگڑا کر چلنے کی اچھی مشق کرتی رہی تھی۔اسے رہ رہ کر اس منحوس انسان پر غصہ آ رہا تھا' جس کی وجہ سے وہ گر گئی تھی۔اس کے کپڑے گندے ہو گئے تھے۔اس کا اکلوتا پاکستانی کرتا مسخ ہو گیا تھا۔اور چھاتا تھوڑا سا پھٹ گیا تھا۔کتنے نقصانات کا پیش خیمہ بنا تھا وہ شخص.....ہونہہ.....

''تم کیا بچوں کی طرح کسی سے لڑتی رہی ہو۔''یونیورسٹی کی ڈاکٹر نے اس کا زخم دیکھا تو ہنس دیں۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟''وہ ہنس نہیں سکی۔

وہ اور زیادہ ہنسنے لگیں۔''اتنی سی چوٹ پر بھی کوئی ڈاکٹر کے پاس آتا ہے؟؟''

وہ گھور کر ڈاکٹر کو دیکھنے لگی۔''میں نیویارک کی سڑک پر' یعنی مصروف ترین سڑک پر گری ہوں۔وہ بھی تب جب سب اپنے اپنے کاموں پر جانے کے لیے مرے جا رہے تھے۔یہاں کی اندھی ٹریفک کو آپ نہیں جانتیں کیا؟''

''اوہاں.....پھر تو تمہیں دوا کے ساتھ ساتھ ایک عدد ایوارڈ بھی دینا چاہیے۔''ڈاکٹر پھر کھی کھی کرنے لگیں۔

یونیورسٹی کے بعد وہ گھر واپس آئی' تو آتے ہی سو گئی۔کالے کوٹ والا اس کے خواب میں آیا تو وہ چونک کر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔اس کی

شکل کچھ کچھ فٹ بالر میسی سے ملتی تھی۔ کیا میسی ساری دنیا سے چھپ کر نیویارک کی سیر کے لیے نکلا ہوا ہے۔ وہ کچھ بولا نہیں تھا تاکہ کوئی اسے پہچان نہ لے۔ کیا اس کے ساتھ یہ عظیم واقعہ رونما ہو چکا ہے۔ اب میسی کا سیکرٹیری آئے گا اور اسے ایک بلینک چیک دے کر کہے گا کہ وہ جتنی چاہے رقم بھر کر' اس تکلیف کا مداوا کر لے' جو میسی کی وجہ سے اُسے پہنچی تھی..... وہ اس پر دس ملین ڈالر لکھ دے گی..... جیسے خوشیوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی' ویسے ہی تکلیف کی بھی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ ہوتی ہے تو دس ملین ڈالر ہوتی ہے..... کیا سمجھے.....

سب سمجھ کر' کافی بنا کر وہ کھڑکی کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے موبائل پر کال آ رہی تھی۔ اس نے آس پاس دیکھا۔ اسے ٹون سنائی دے رہی تھی لیکن موبائل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے بیگ' سائیڈ ٹیبل سب دیکھ لیا تھا۔ کچن کے کیبنٹ تک کھول کھول کر دیکھ لیے تھے لیکن موبائل نہیں ملا تھا۔ سارے کمرے کی چیزیں ادھر ادھر ہو چکی تھیں۔ وہ بری طرح سے حیران ہو رہی تھی۔ تین منٹ کے وقفے کے بعد اس کے فون پر پھر سے کال آئی تھی۔ اسے ٹون سنائی دے رہی تھی لیکن فون تھا کہاں.....

دس منٹ کے اندر اندر اس نے سارا کمرا ادھیڑ ڈالا تھا' لیکن فون ہاتھ نہیں آیا تھا۔ فون کی میسج ٹون' واٹس ایپ ٹون' فیس بک نوٹیفکیشن ٹون' سب سنائی دے رہی تھیں لیکن فون دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کوفت کا شکار ہو چکی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ اسے واقعی میں اپنے دماغ کا علاج کروا لینا چاہیے۔ یہ بہک چکا ہے۔ سب کچھ الٹا پلٹا کر کے سنا اور دکھا رہا ہے۔

جب وہ سر پر ہاتھ رکھ کر' کارپٹ پر اپنے بکھرے ہوئے سامان کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی' تو پھر سے موبائل پر ٹون سنائی دینے لگی تھی۔ اس بار فون اس کے بہت قریب تھا..... بہت ہی زیادہ قریب..... جتنا پرانی ڈائری سے نکل کر اس کے پیر کے قریب پڑا ہوا ٹیولپ پیپر تھا.....

اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹیولپ ہاتھ میں پکڑا اور اسے کچھ غصے اور کچھ نفرت سے گھورا۔ اگلا منظر دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گئی تھی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

کالے کوٹ والے جاسوس انسان کے سامنے میز پر اس کا فون رکھا ہوا تھا۔ فون پر بیل ہو رہی تھی اور وہ چپ چاپ اس فون کو دیکھ رہا تھا۔

جس وقت وہ روڈ کراس کر رہی تھی' تو وہ فون پر بات کر رہی تھی' جس وقت وہ گری تھی' اس وقت فون کہاں گیا' اسے معلوم نہیں تھا۔ لیکن اب اسے معلوم ہو گیا تھا' وہ فون اس جاسوس کے پاس تھا۔ اس نے اسے چھاتا تو اٹھا کر نہیں دیا تھا لیکن جھک کر اس کا فون اٹھا لیا تھا۔ چور..... اچکا..... پاپا نے ٹھیک کہا تھا' نیویارک میں رہنے کا شوق ہے تو آنکھیں کھلی رکھنا' ورنہ گردن پر چھری پھرے گی اور یہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گی۔

اس نے دوبارہ ٹیولپ کی طرف دیکھا تو وہ خالی تھا۔ یعنی یہ کیا بات ہوئی؟؟ ایک منظر دکھا کر ٹیولپ پھر سے سفید ہو چکا تھا۔ اس کا دل چاہا کہیں سے اس جیپسی کو ڈھونڈ کر لائے اور شانوں سے پکڑ کر اچھی طرح سے جھنجھوڑ کر پوچھے ''یہ کیا واہیات چیز دی ہے تم نے مجھے۔''

''تم سے پہلے ہی کہا تھا یہ الہ دین کا چراغ نہیں ہے۔'' اسے کہیں سے جیپسی کی آواز سنائی دی۔

''کیوں نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے۔اس دنیا میں غریبوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کیا الہ دین کے جن کا کام نہیں بنتا کہ وہ آئے اور آ کر غربت مٹا دے.....''

''دنیا میں غربت نہیں لالچ زیادہ ہے۔غربت تو مٹ جائے گی لیکن لالچ کبھی نہیں مٹے گی۔''

''میری غربت کا مذاق نہ اڑاؤ میڈم جپسی!''

''تمہیں کھانے کے لیے کھانا نہیں عیش کے لیے ڈالرز چاہیے اس لیے الہ دین کا چراغ تم جیسے لوگوں سے دُور بھاگتا ہے۔''

''چپ کر جاؤ..... مجھے لیکچر نہ دو.....''

''کیوں اتنا چلا رہی ہو؟ تم اپنے باپ کے گھر میں نہیں' کرائے کے اپارٹمنٹ میں بیٹھی ہوئی ہو۔کچھ ہم جیسے الو کے پٹھے بھی یہاں پڑھنے کے لیے آئیں ہوئے ہیں پرنسز آف ویلز!'' اس کے ساتھ والے اپارٹمنٹ کی الو..... یعنی لڑکی نے اس کے دروازے پر غصے سے دستک دیتے ہوئے چلا کر کہا۔اس نے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اس سے موبائل لے کر اپنے نمبر پر کال کرنے لگی۔فون اب بند ہو چکا تھا۔

''چور' چکا..... میسی.....'' وہ زیر لب بڑبڑائی اور ٹیولپ کو غصے سے پٹخ دیا۔

چور اچکا میسی چپ چاپ کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔وہ بول نہیں سکتا' لیکن سن سکتا ہے۔جو کافی وہ پی رہا ہے اس میں اسٹرا ہے' کیونکہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو حرکت نہیں دے سکتا۔ایک بازو پورا ہی مفلوج ہے اور ایک کہنی تک کٹا ہوا ہے۔جس کیفے میں وہ کافی پینے آیا ہے' یہاں کا اسٹاف اسے جانتا ہے۔وہ جانتے ہیں کہ اسے کیا چاہیے۔ایک بار فون پر بیل ہوئی تھی تو ویٹر نے اس کا فون جیب سے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا' وہ اس سے پوچھ رہا تھا کہ کیا وہ کال او کے کر دے۔لیکن اس نے ناں میں سر ہلا دیا تھا۔وہ فون اس کے سامنے رکھا رہا تھا۔فون پر پھر سے کال آئی تھی۔وہ یہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ فون اس کے پاس کیسے آیا۔اس کا اپنا فون اس کی دوسری جیب میں تھا۔اس پر صرف ماں کی کال اور میسج آتے تھے۔میسج خود کار طریقے سے ایک منٹ کے وقفے کے بعد مشینی آواز کے ذریعے پڑھے جاتے تھے اور کال بھی تیس سکینڈ کے وقفے سے او کے ہو جاتی تھی۔ماں اسے کچھ ضروری ہدایتیں دیتی تھی اور بس۔جسے وہ کان پر فکس بلوٹوتھ آلے کی مدد سے بآسانی سن لیتا تھا۔

دس منٹ بعد اس نے بہت مشکل سے ویٹر کو یہ بات سمجھائی تھی کہ وہ فون کو آف کر کے اس کے کوٹ کی جیب میں واپس رکھ دے۔اس کی کافی ختم ہو چکی تھی۔وہ اٹھا اور گھر کی طرف چل پڑا۔وہ آج دو ہفتے بعد گھر سے باہر نکلا تھا۔ماں نے اسے زبردستی بھیجا تھا۔اگر ماں نے موسم کا حال سن لیا ہوتا تو وہ کبھی اسے نہ بھیجتیں۔وہ بھیگ چکا تھا۔لیکن وہ خوش تھا۔کیونکہ اس کا بخار اتر چکا تھا۔اس کے سن بازو کے علاج کے سلسلے میں اس کے لیے دوا تبدیل کی گئی تھی جس سے اسے الرجی ہو گئی تھی۔وہ بیمار ہو گیا تھا۔

وہ کیفے سے باہر نکلا تو بدستور بوندا باندی ہو رہی تھی۔بارش پھر سے تیز بھی ہو سکتی تھی لیکن وہ رکا نہیں اور باہر نکل آیا۔کیونکہ کبھی کبھی کالے سیاہ بادلوں میں' کڑکتی ہوئی بجلی میں' تیز یا ہلکی بارش میں بھیگ جانا بھی اچھا ہوتا ہے۔زندگی ہمیشہ بہار کی طرح لہلہاتی ہوئی سرسبز و

شاداب تو نہیں رہتی۔نرم گرم بستروں میں دبک کر ٹی وی پر ٹام اینڈ جیری دیکھنا ہی عیاشی نہیں رہتا۔کبھی کبھی چلچلاتی ہوئی دھوپ سر پر سایہ فگن ہو جاتی ہے اور کسی بدتمیز سے بیچ سڑک میں ٹکر ہو جاتی ہے.....

دس سال کی عمر میں اس کی زبان اور تالو کا پہلا آپریشن ہوا تھا تو وہ تھوڑا بہت بولنے لگا تھا۔آپریشن کامیاب رہا تھا' لیکن ابھی بھی وہ نارمل لوگوں کی طرح نہیں بول سکتا تھا۔ایک چھوٹے سے جملے کی ادائیگی میں اسے کافی وقت لگ جاتا تھا۔اس کا جبڑا تھک جاتا تھا' زبان میں تکلیف ہونے لگتی تھی۔ڈاکٹر پرامید تو تھے لیکن سپیچ تھراپی کے بعد بھی وہ روانی سے بولنے میں ناکام رہا تھا۔

سترہ سال کی عمر میں اس کا دوسرا آپریشن ہوا تھا' جو زیادہ کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔اسے زبان کو حرکت دینے میں بہت زیادہ تکلیف ہونے لگی تھی کہ اس نے بولنے کے خیال کو ہی ترک کر دیا تھا۔وہ اشاروں سے اور لکھ لکھ کر باتیں کرتا تھا۔لیکن دو سال پہلے' وہ دونوں ہاتھوں سے بھی تقریباً معذور ہو چکا تھا۔وہ جتنا ذہین تھا' اب اتنا ہی بے کار ہو چکا تھا۔وہ جتنا ایکٹیو تھا اب اتنا ہی ساکت ہو چکا تھا۔

وہ ماں کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس کے لیے وہ ایک مکمل انسان تھا۔گبرو' جوان' خوبصورت اور صحت مند۔وہ چلتا پھرتا' کام کاج کرتا' کالج جاتا' تو کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ وہ بول نہیں سکتا۔ٹیکنالوجی نے ترقی کی تو وہ موبائل ایپ کے ذریعے بات کرنے لگا تھا۔بس اسے سب کچھ موبائل پر ٹائپ کرنا پڑتا تھا' پھر اسپیکر سے اپنی بات سنانی پڑتی تھی۔زندگی اتنی مشکل نہیں تھی' یہ تب مشکل ہوئی تھی جب اس کے دونوں ہاتھ بھی بے کار ہو گئے تھے۔وہ موبائل پر ٹائپ نہیں کر سکتا تھا' وہ اشارے نہیں کر سکتا تھا' وہ پین تک پکڑ کر کچھ لکھ نہیں سکتا تھا۔وہ پہلی بار رویا بھی تب ہی تھا' جب وہ ایک چمچ تک اٹھا کر اپنے منہ تک نہیں لے جا سکتا تھا۔اور تب ہی اس کی راتوں کی نیند مختصر ہونے لگیں تھیں۔اس کے خواب جو ابھی پورے ہونے تھے' وہ ادھورے ہی رہ گئے تھے۔ساری دنیا کے سائنس دان اپنا کام چھوڑ کر اس کے لیے کوئی ایسا فیچر نہیں بنا سکتے تھے جو اسے کارآمد بنا سکتا۔وہ بول نہ سکتا لیکن اپنی بات سمجھا سکتا۔وہ ہاتھوں کو حرکت دیئے بغیر اپنے کام کر سکتا۔

دو سال پہلے ہائکنگ کے دوران پہاڑ سے گر کر اس نے اپنے جسم کو مفلوج کروالیا تھا۔اس کی ریڑھ کی ہڈی پر شدید ضرب پہنچی تھی۔اس کے جسم کا جوڑ جوڑ ہل کر رہ گیا تھا۔وہ چل پھر نہیں سکتا تھا۔ہاتھ نہیں ہلا سکتا تھا۔چھ ماہ بعد ماں کی جان توڑ کوششوں کے بعد وہ چلنے پھرنے لگا تھا۔اس کی صحت بہتر ہونے لگی تھی لیکن اس کا ہاتھ سن اور بے کار ہو کر جسم سے جھول رہا تھا۔دوسرا کہنی سے ہاتھ تک کٹ چکا تھا۔

مکمل انسانوں کی دنیا میں ادھورے انسانوں کو بہت ہمت سے کام لینا پڑتا ہے۔وہ اپنی ہمت کھو رہا تھا۔ماں کو پورا یقین تھا کہ اس کا لکڑی کے تختے کی طرح سخت ہو چکا باوزا ایک دن ٹھیک ہو جائے گا۔اس کے تالو کی سرجری ہو گی اور وہ بولنے لگے گا۔پہلے اسے بھی یقین تھا' لیکن اب یہ یقین کمزور پڑ رہا تھا۔

خوش آئندہ رہنے کے لیے چھوٹی موٹی خوشیاں ملتی رہنی چاہیے۔اگر وہ نہ ملیں تو انسان امید چھوڑ دیتا ہے۔

وہ بچپن سے خاموش رہا تھا۔اسے بولنے کی حسرت تھی۔وہ چاہتا تھا کہ وہ بھی بہت سی باتیں کرے۔بے سری ہی سہی' اپنی آواز میں گانے گائے۔وسل بجائے۔کسی کے کان کھائے۔نارمل لوگوں کی طرح پھس پھسے لطیفے سنائے اور خود ہی قہقہے لگائے۔لیکن جب

اس کا پہلا آپریشن ہوا تو وہ صرف چند لفظ بولنے کے قابل ہو سکا تھا۔ وہ تھک جاتا تھا۔ ہانپ جاتا تھا۔ تکلیف سے کراہنے لگتا تھا۔

اسے لکھ لکھ کر باتیں کرنے کی روٹین کو جاری رکھنا پڑا۔ لیکن آپ جانتے ہی ہیں کہ لکھی ہوئی باتیں پڑھنے کا کس کے پاس وقت ہوتا ہے۔ یعنی دوستوں کے گروپ میں' جب سب بیٹھے' گپیں اور قہقہے لگا رہے ہوں۔ اور وہ پین سے لکھ رہا ہو اور پھر مطلوبہ شخص کو دے رہا ہو' اور مطلوبہ شخص کے پاس ان چند حروف کو غور سے پڑھنے کا وقت بھی نہ ہو۔ زبان والوں کی دنیا میں ''بے زبانوں'' کے ان کہے' کہے الفاظ کی ویلیو ہی کتنی ہوتی ہے۔ ہم اتنے مصروف ہو چکے ہیں' اور ہمارے پاس وقت کی اتنی کمی ہو چکی ہے کہ ہم جو بول سکتے ہیں انہیں نہیں سن سکتے' جو بول ہی نہیں سکتا اسے کیسے سنیں گے.....

دنیا کا المیہ خود غرض ہونا نہیں' بے حس ہونا ہے.....

دنیا میں کتنی بھی ٹیکنالوجی آ جائے' وہ زبان کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ پہلے آپریشن کے بعد ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ اسے اتنے کو ہی بہت سمجھنا چاہیے کہ وہ کچھ لفظ بول سکے گا۔ ڈاکٹر ساری بیماری جانتے تھے' لیکن جان لینا اور علاج کرنا دو الگ چیزیں ہیں۔ وہ ٹھیک ہو جائے گا' ڈاکٹر کہتے تھے' کب ہو گا' اور کتنا وقت لگے گا وہ نہیں جانتے تھے۔ کوئی نہیں جانتا تھا۔ لیکن وہ جان گیا تھا کہ وہ کبھی ٹھیک نہیں ہو گا۔ وہ بول نہیں سکے گا' اپنے ہاتھوں کو حرکت نہیں دے سکے گا۔ وہ ناامید ہو رہا تھا..... تب ہی.....

چور چور چلاتی ہوئی ایک لڑکی آئی..... وہ کچھ عجیب و غریب تھی.....

''مسٹر عجیب و غریب' ایکس وائے زیڈ! میسی کی بگڑی ہوئی کاپی! تم اپنے منہ سے بتاؤ گے کہ تم چور ہو یا میں تم سے اقرار کرواؤں؟''

کرسی کی پشت سے کمر لگا کر وہ ''ساری دنیا جائے بھاڑ میں' مجھے اب اس سے کچھ لینا دینا نہیں رہا'' کے انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے ایک میگزین پر پیپر ویٹ رکھا ہوا تھا' جسے وہ پڑھ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ اس کے سامنے آ کر کھڑی ہوئی' وہ کافی کے مگ پر جھک گیا اور اسٹرا کو منہ میں لے لیا۔

''میں پاگل ہوں جو ایسے چلا رہی ہوں' فون دو میرا۔'' اس نے ہاتھ آگے کیا کہ موبائل دو۔ اس نے اسٹرا سے کافی پیتے پیتے سر اٹھا کر اسے دیکھا..... آنکھیں ذرا ترچھی ہو گئیں..... پیشانی پر بال آ گرے..... اگر وہ چور نہ ہوتا تو اسے بڑا اچھا لگتا..... لیکن خیر.....

''اور دیکھو یہ نہ پوچھنا کہ مجھے کیسے پتا چلا کہ میرا فون تمہارے پاس ہے۔ تمہاری سوچ بھی وہاں تک نہیں جا سکتی' جہاں سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تین دن پہلے' اس کیفے کی اسی میز پر میرا فون سامنے رکھ کر تم میرا مذاق اڑ رہے تھے' پھر تم نے فون آف کر دیا۔ اب تک تو بیچ بھی دیا ہو گا۔ واپس لاؤ میرا فون' اور سن لو' میں ہرگز ہرگز کوئی اور فون نہیں لوں گی..... وہ کتنا بھی مہنگا اور جدید کیوں نہ ہو۔ کبھی نہیں.....''

سنا ہے جب لڑکیاں جھوٹ بولتی ہیں' تو دنیا بھر کے ریلوے پلیٹ فارموں پر کھڑے سچے پکے مسافروں کی ٹرینیں چھوٹ جاتی ہیں۔ اسٹیشن پر کھڑے ہو کر وہ بے چارے اپنا سر کھجاتے رہ جاتے ہیں۔ اور یہاں یہ لمبی لمبی چھوڑتی رہ جاتی ہیں۔ ان کی بلا سے ٹرین چھوٹ جائے یا سر پر سے ہی گزر جائے۔ یہ اپنا کام جاری رکھیں گی۔

لمبی سی اسٹرا کا کونا دانتوں میں دبا کر اس نے ایک گہرا گھونٹ بھرا۔آج کافی بڑی کڑوی تھی۔پھر ایسے ہی ذرا سا سہم کر اسے چور نظروں سے دیکھا۔اس نے سفید ٹی شرٹ پر ہلکے نیلے رنگ کی جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔اس کی اونچی' لیکن چھوٹی سی پونی ٹیل کی وجہ سے ہلکورے لے رہی تھی۔بھنوئیں تنی ہوئی تھیں۔بالوں کی لٹیں یہاں وہاں سے نکلی ہوئی تھیں۔اگر وہ ایسے چلا نہ رہی ہوتی تو اسے بڑی اچھی لگتی.....لیکن خیر.....اب وہ پھر سے کرسی کی بیک سے کمر لگا کر بیٹھ چکا تھا اور اسے دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔آپ جانتے ہی ہیں کہ لڑکے جب حیران ہوتے ہیں' تو ان کی آنکھوں میں صرف حیرت ہی نہیں ہوتی' ہلکا سا غصہ بھی ہوتا ہے۔پھر ایسے لڑکے جو سختی سے لب بھی بھینچ رہے ہوں' اور اپنے ہاتھوں کو مکا بنا کر سامنے والے کے منہ پر دے مارنا چاہتے ہوں' ان کی پیشانی کے بل کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ انسان ایک ایک کر گن لے اور ڈر کر سہم جائے۔

''تم چاہتے ہو کہ میں پولیس میں شکایت کروں؟ یا یہاں کھڑی ہو کر چور چور چلاؤں؟''عجیب انسان تھا کچھ بول ہی نہیں رہا تھا۔الٹا بار بار جھک کر کافی پی رہا تھا.....وہ بھی اسٹرا سے.....اسے کافی اور جوس میں فرق نہیں معلوم تھا؟ کتنا بدتمیز' جاہل انسان تھا وہ۔

''میں کچھ بول (بھونک) رہی ہوں.....'' آگے بڑھ کر اس کے اسٹرا کو چٹکی سے دبا دیا۔یعنی اب پیو کافی۔

''پہلے میرا فون' پھر کافی۔میں جل بھن رہی ہوں تم کافی پر کافی چڑھا رہے ہو۔''

وہ غصے سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔شاید اب غصہ اس کے دماغ کو چڑھ گیا تھا۔

''جیب میں ہے یا کہیں اور رکھا ہے۔''انگلیوں میں دبے اسٹرا کو کھینچ کر اس نے پرے پھینکا اور خود کافی کے مگ کو منہ لگا لینا چاہا لیکن پھر رُک گئی۔

''اوہ سوری! میں دوسرا اسٹرا لے آتی ہوں.....'' سامنے والے کا چہرہ خوفناک ہو چکا تھا۔وہ تھوڑا سا ڈر گئی تھی۔

وہ تیزی سے ریسٹورنٹ سے باہر نکل گیا۔علیزہ حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔یعنی یہ کیا بات ہوئی' چوری اور سینہ زوری پھر ایسے بھاگا دوڑی۔

''تم بہرے ہو گیا؟ سنائی نہیں دے رہا۔میرا فون واپس کرو' ورنہ میں ابھی پولیس کو فون کر دوں گی۔''وہ بھاگتی ہوئی اس کے پیچھے آئی۔

وہ رکا نہیں اور تیزی سے روڈ کراس کر گیا۔جب تک وہ اس کے پیچھے بھاگی وہ بس میں بیٹھ چکا تھا۔وہ ٹیکسی میں بیٹھی اور ڈرائیور کو بس کا پیچھا کرنے کے لیے کہا۔

بس آگے اور اس کی ٹیکسی پیچھے.....وہ باقاعدہ ٹیکسی کی کھڑکی سے آدھی باہر نکل کر بس کی طرف دیکھ کر چلا رہی تھی۔

''یہ چور ہے' اس نے میرا فون چرایا ہے۔پکڑوا سے' روکو اسے۔''

ٹیکسی ڈرائیور نے گردن موڑ کر پیچھے اس کی طرف دیکھا۔بس کے مسافر بھی اس کی طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے۔صرف وہ جاسوس' چور' عیسی' کیسی' ستیانیسی' وہ کسی کی طرف بھی متوجہ نہیں ہو رہا تھا' اور کمر کو سیدھا رکھ کر بیٹھا سامنے دیکھ رہا تھا۔

''تم بھی سب کے سب بہرے ہو گیا؟؟'' جب کسی ایک بھی مسافر نے گردن موڑ کر کالے کوٹ والے کو گھور کر نہیں دیکھا اور اس سے یہ نہیں کہا کہ ''بھائی چور! وہ کب سے آپ کو چور چور کہہ کر بلا رہی ہے۔ چلا رہی ہے۔ کیا ماجرا ہے؟ اور نہیں تو ''میں چور نہیں ہوں'' کہہ کر اسے رسپانس ہی دے دیں۔' تو وہ غصے سے بھڑک اٹھی۔

وہ اسٹاپ پر اترا تو وہ بھی ٹیکسی سے اتر گئی۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی' چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ تین چار سو آدمیوں کے گلے دبا دے۔ چار پانچ سو کو پھانسی پر چڑھا دے۔ چھ سات سو کو سمندر میں دھکا دے دے۔ اس کا دنیا پر سے اعتبار اٹھ چکا تھا۔ اس دنیا میں انسانیت نام کی کوئی چیز کہیں نہیں بچی تھی..... نیویارک میں تو بالکل نہیں.....

''سنو! خدا کے لیے میرا فون واپس دے دو۔'' وہ اس کے سامنے جا کر ہانپتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ سامنے والا کسی بھی بات سے ڈر ہی نہیں رہا تھا' تو اس نے ''منت سماجت' ترلے واسطے'' ٹرائی کرنے کے بارے میں سوچا۔

''میں جانتی ہوں وہ فون تمہارے ہی پاس ہے۔ میرے پاس ایک مسٹری ٹیولپ پیپر ہے۔ مجھے اس میں دکھائی دیا ہے۔ دیکھا اب تم چونک گئے نا۔ ہاں' مجھے یہ بھی دکھائی دیا ہے کہ تم آج کل ایک بینک لوٹنے کی تیاری کر رہے ہو۔ تم اور تمہارا گینگ' میں سب کو جانتی ہوں۔ میں پولیس کو سب کچھ بتا دوں گی۔ بہتر ہے کہ میرا فون دے دو۔ میرے پاس ابھی اتنے پیسے نہیں کہ نیا فون لوں۔ میں امیر دکھائی دیتی ہوں لیکن ہوں نہیں۔''

پہلی بار وہ زیر لب ہنس دیا۔ (تم جو ہو وہی دکھائی دے رہی ہو۔ مس غریب!)

''دیکھا! تم ڈر گئے۔ میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی' تم بس یہ بتا دو میرا فون کہاں ہے؟''

وہ پھر سے چلنے لگا۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

''تم بہرے ہو؟''

اس نے ناں میں سر ہلایا۔

''چور ہو؟''

اس نے پھر سے ناں میں سر ہلایا۔

''تو مجھے کیا پاگل سمجھا ہے.....'' وہ چلائی۔

اس نے ہاں میں سر ہلایا اور ایک گھر کی طرف مڑ گیا۔ گھر کے دروازے پر ایک عورت کھڑی تھی' وہ اسے دیکھتے ہی مسکرا کر اس کی طرف لپکی۔

''آ گئے تم ابوبکر! میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ اور یہ لڑکی کون ہے؟''

''یہ چور لڑکا آپ کا کون ہے؟''

ماں کا منہ بن گیا۔ ''میرے بیٹے کو چور کہہ رہی ہو؟''

''اس نے میرا فون چرایا ہے' میں سب جانتی ہوں۔ میرے پاس ثبوت ہیں۔''

''یہ تمہارا فون کیسے چرا سکتا ہے؟ اس کا ایک ہاتھ کٹا ہوا ہے' اور دوسرا حرکت نہیں کر سکتا۔ دکھاؤ اپنے ثبوت۔ میں بھی دیکھوں کہ اس نے کس جادو کے زور پر یہ سب کیا ہے۔''

وہ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی۔ ''کیا یہ معذور ہے؟ گونگا بہرا' لنگڑا لولا؟'' چونکہ وہ کافی وقت سے اسے چور سمجھ رہی تھی اس لیے اس کی زبان سے ساری اخلاقیات اور انسانیت خارج ہو گئی اور وہ ایسی بدلحاظی پر اتر آئی۔

ماں نے بہت تحمل سے اس کے جملے سہے۔ ''بس گونگا.....''

اب تک ماں نے اس کا کوٹ اتار دیا تھا۔ اور وہ اندر جا کر سامنے صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔ وہ سامنے دہلیز پر کھڑی رہ گئی تھی۔ ماں نے ایسی بد اخلاق لڑکی کو گھر کے اندر آنے اور بیٹھنے کی دعوت نہیں دی تھی۔

''یہ گونگا ہے.....'' وہ خود ہی اندر آ چکی تھی اور گھوم پھر کر اس کا جائزہ لے رہی تھی جیسے سمندر سے وہیل مچھلی باہر نکل آئی ہو۔

گونگے نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ ماں کچن کی سمت جا چکی تھی۔ صوفے کی سائیڈ ٹیبل پر اس کا فون رکھا ہوا تھا۔ وہ آگے بڑھی اور اس نے وہ فون اٹھا لیا۔ فون بند تھا۔ اس نے آن کرنا چاہا تو وہ بیٹری کی وجہ سے آن نہیں ہوا۔ جس وقت وہ اپنا فون لے کر واپس جا رہی تھی' اس وقت ماں ٹرے میں سوپ رکھ کر لا رہی تھی۔ ماں نے ایسے ظاہر کیا جیسے اس نے اس جیسی بدتمیز' جاہل' بے رحم لڑکی کو دیکھا ہی نہیں۔

لیکن وہ دیکھ چکی تھی..... ''سوپ'' کو.....

اور ابوبکر کی آنکھوں کو جو بہت گہرائی سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

رات کو وہ سونے کے لیے لیٹی تو تھوڑی سی شرمندہ تھی۔ رات کا پہلا پہر گزر گیا تو وہ بے انتہا شرمندہ ہو چکی تھی۔ وہ بار بار بیڈ پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ بے چینی الگ تھی۔ دیوار کے دوسری طرف سے جینامینا نے اپنے اپارٹمنٹ سے چلا کر کہا۔

''سو مر جاؤ' یا پھر اپنا یہ بیڈ بدل لو۔ کتنی دیر سے چوں چوں کر رہا ہے۔ چھوٹے گھروں میں رہنے کا یہی نقصان ہوتا ہے۔ کاش میں امیر ہوتی۔ خدا کسی کو غریب پیدا نہ کرے۔''

وہ غریب اپنی غربت پر رونے لگی اور یہ غریب بیڈ سے اٹھ کر راکنگ چیئر پر آ کر بیٹھ گئی۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ سارا راستہ چور چور چلاتی آئی تھی۔ اس نے اسے بے چارے کا دل دکھا دیا تھا۔ اسے تکلیف پہنچائی تھی۔ اس کے جسمانی نقائص کا مذاق اڑایا تھا۔ ایک فون ہی تو تھا' بھول جاتی اسے۔ سمجھ لیتی کہ کوئی چورا چکا لے گیا۔ بس۔

اگلے دن یونیورسٹی کے بعد وہ اس کے گھر چلی گئی۔

''میں آپ کے بیٹے سے سوری کہنے کے لیے آئی ہوں۔ سچی والی سوری۔'' جیسے ہی اسے اس کی ماں کا چہرہ دکھائی دیا' اس نے فوراً سوری کہا۔ غیر محسوس ہاتھ بھی جوڑ دیئے کہ ماں پر اچھا اثر پڑے۔

''سچی والی سوری کیا ہوتی ہے؟''

ماں پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا تھا۔ یا اس کی نیت میں کھوٹ تھا' ورنہ شاید اداکاری میں۔

''سچے دل سے سوری.....''

''بدتمیز لوگوں کا دل سچا نہیں ہوتا۔ سمجھیں.....؟''

وہ سمجھ چکی تھی۔ سر ہلاتی ہوئی ان کے پیچھے پیچھے اندر آ چکی تھی۔ اس بار اسے بیٹھنے کے لیے کہا گیا تھا۔ وہ ابوبکر کے سامنے جا کر بیٹھ گئی تھی' جو ایکشن مووی دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے شاید اس نے کچھ کھایا تھا' اس کی ٹی شرٹ کے گول گلے پر کیچپ کا ایک چھوٹا سا داغ تھا۔ وہ ٹشو اٹھا کر اس داغ تک کو صاف نہیں کر سکتا تھا۔ کچھ دیر تک وہ سہمی سی بیٹھی رہی۔ وہ اس سے بات کرنے کی ہمت پیدا کر رہی تھی۔ ایک بار ابوبکر نے اسے دیکھا تھا۔ ہائے ہیلو کے انداز میں مسکرایا بھی تھا۔ لیکن اس کی مسکراہٹ اسے کچھ طنزیہ لگی تھی۔

''ٹھیک ہے تم چور نہیں ہو' لیکن میں بھی اتنی بری لڑکی نہیں ہوں۔ شکل سے تم بھی کچھ ایسے بھی شریف نہیں لگتے' پھر تمہیں دیکھ کر کوئی بھی دھوکا کھا سکتا ہے' کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ یعنی جیسے تم کالا سا کوٹ پہن کر' جاسوسوں کی طرح گھومتے پھرتے رہتے ہو' کوئی بھی تمہیں ''کچھ بھی'' سمجھ سکتا ہے۔ سمجھ رہے ہو نا.....'' یہ اس کی سچی سوری والی سوری تھی۔ سچے دل سے نکلے سچے الفاظ۔

اسکرین سے نظریں اٹھا کر اس نے اس کی طرف دیکھا..... اور دیکھتا ہی رہا.....

''مجھ سے غلطی ہوئی تھی' لیکن قصور تمہارا بھی تھا۔ مجھے کیا خواب آنا تھا کہ تم بول نہیں سکتے۔ بندہ کوئی اشارہ ہی کر دیتا ہے کہ میں بول نہیں سکتا۔''

''اور وہ اشارہ کیسے کرتے ہیں؟'' اس کی ماں اس کے سر پر کھڑی غصے سے پھنکارتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ ''ذرا کر کے دکھاؤ وہ اشارہ۔ ہاتھ نہ ہلانا۔''

وہ ہکا بکا ماں کی شکل دیکھنے لگی۔

''ایک بازو مفلوج ہو اور ایک کٹا ہوا ہو۔ زبان تالو سے چپکی ہوئی ہو' تو بتاؤ کہ کیسے اشارہ کر کے بتائے گا کہ میں گونگا ہوں۔ بول نہیں سکتا۔ تمہارا فون میری جیب میں گر گیا تھا۔ سوری۔ یہ لو اپنا فون واپس۔''

وہ پھر سے شرمندہ ہو گئی۔ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ اس نے سوچا کہ اسے اپنی زبان کو زحمت نہیں دینی چاہیے' ورنہ اس کے سر پر کھڑی ماں اس کا کچومر بنا کر چیل کوؤں کو کھلا دے گی۔

''تم مجھے جانے کے لیے کہہ رہے ہو اور یہ لڑکی تمہاری بے عزتی کرتی جا رہی ہے۔'' جاتے جاتے ماں بڑبڑائی تو اس نے سر اٹھا کر پہلے ماں اور پھر ابوبکر کو دیکھا۔

''آئی ایم سوری مسٹر ابوبکر! میرے الفاظ بھی سخت تھے اور انداز بھی۔ لیکن سچی میں بہت معصوم بھولی بھالی سی لڑکی ہوں۔ میں نے آج تک کسی کو کوئی تکلیف نہیں دی۔ کسی کو دکھی دیکھتی ہوں تو رات رات بھر روتی (سوتی) رہتی ہوں۔ میرا دل تو سمجھو کہ سونے کا ہے (کھوٹا

سونا)۔میں تو ایسی درد دل رکھنے والی اور.....میں وہ.....اچھا خیر.....''

اس کے بعد دونوں کے درمیان پورے تین منٹ تک خاموشی رہی۔وہ تو بول نہیں سکتا تھا' اور وہ بول رہی تھی تو بس اپنی ہی تعریف میں بول رہی تھی۔جو کہ موقعہ کی مناسبت اور نزاکت کے حساب سے کوئی اچھی بات نہیں تھی۔پھر اس نے فیصلہ کیا کہ اسے چلنے جانا چاہیے۔

''مجھے اب چلنا چاہیے.....''اسے افسوس تو تھا کہ ان لوگوں کو مہمان نوازی وغیرہ نہیں آتی۔لیکن وہ اس افسوس کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔اس لیے وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور بس جانے ہی والی تھی کہ چائے کا ایک کپ اس کے سامنے آ گیا۔اس نے چائے کے کپ کو دیکھا پھر ابو بکر کو۔لیکن ابو بکر ماں کو دیکھ رہا تھا.....

''اچھا ٹھیک ہے لا رہی ہوں وہ بھی۔''وہ بڑبڑاتی ہوئی گئیں اور اس بار واپسی میں کچھ نگٹس بھی لے آئیں۔

اس نے چائے بھی پی اور نگٹس بھی کھائے۔وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھی' جو غصے اور شرمندگی میں اپنے پیٹ پر لاتے مارتے ہیں۔لڑائی' غصہ' ناپسندیدگی اپنی جگہ' اور ''پیٹ'' اپنی جگہ.....مطلب سب سے اچھی جگہ.....

''میں سچ میں بہت شرمندہ ہوں' ایک بار پھر سے سوری کہتی ہوں۔اوہاں مجھے یاد آیا' تم نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ مجھے کیسے معلوم ہوا کہ میرا فون تمہارے پاس ہے۔''بیگ میں سے ٹیولپ نکال کر وہ اس کے ساتھ صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔چائے اور نگٹس نے اس کے اندر انرجی بھر دی تھی۔وہ تروتازہ ہو چکی تھی۔

''یہ دیکھو! کوئی اس پر یقین نہیں کرتا۔میں نے اپنی فرینڈز کو بتایا تو وہ ہنسنے لگیں۔خیر ہنسی تو مجھے بھی بہت آئی تھی جب یہ مجھے ملا تھا۔اور پھر رونا بھی جی بھر کر آیا تھا' جب اس پیپر سے مجھے ''کچھ بھی نہیں'' ملا تھا۔سوچا تمہیں بھی بتا دوں تم کون سا کسی کو بتاؤ گے۔ہی ہی.....نہیں نہیں میں تمہارے گونگے ہونے کا مذاق نہیں اڑا رہی ہے۔بس ویسے ہی.....اچھا سوری.....زبان سے پھسل گیا۔دیکھو اس میں نا یہاں.....تمہاری تصویر بن گئی تھی.....''اس نے فائل کی طرح کھول کر ٹیولپ کو ابو بکر کے سامنے پھیلا دیا۔اور حیرت سے اس کا اپنا منہ کھل گیا۔

''اتنی بدلحاظی سے مجھے گونگا کہتے ہوئے' تمہیں شرم آنی چاہیے۔بار بار سوری کہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔اگلی بار سوری کہنے کی بجائے تمہیں اپنے منہ پر ایک عدد طمانچہ مار لینا چاہیے۔اس ایک عدد کو تین سے ضرب دے دینی چاہیے اور اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔''

ٹیولپ پر لکھا تھا۔جیسے کتاب پر لفظ چھپے ہوتے ہیں۔جیسے موبائل پر میسج لکھا ہوتا ہے۔صاف صاف.....ابو بکر حیرت سے ٹیولپ کی اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔وہ بھی دیکھ رہی تھی۔دونوں ٹیولپ پر تھوڑا سا جھک گئے تھے۔

''یہ تم نے مجھ سے کہا ہے؟؟''اس نے پہلے سر اٹھایا اور اس سے پوچھا

''بالکل!''جواب اس کے ہاتھ میں پکڑے ٹیولپ پر آیا۔

دونوں کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔

''تو تم یہاں بول رہے ہو.....اس ٹیولپ پیپر پر۔وہ بھی ایسے.....طمانچہ اور تین سے ضرب.....یہ سب؟''وہ چلا اٹھی۔

''چلانا بند کرو' بدلحاظ لڑکی! میں تمہیں کل سے برداشت کر رہا ہوں۔''

''اور میں بھی.....''ٹیولپ کو رول کر کے اس نے ابوبکر کے سر پر دے مارا۔ یہ اس نے عادتاً کیا تھا۔۔لیکن کچن سے برتن دھو کر نکلی ماں کو یہ منظر اچھا لگا تھا' نہ یہ عادت۔اور انہوں نے آگے بڑھ کر ایک موٹا میگزین اس کے سر پر دے مارا تھا۔ماں نے یہ عادتاً نہیں کیا تھا۔

علیزہ کی آنکھیں نم سی ہو گئیں۔اس لیے نہیں کہ اسے ابوبکر کی ماں سے مار پڑی تھی۔بلکہ اس لیے کہ اس کا جیک پوٹ، اس کا ٹیولپ ایسا پھس نکل آیا تھا۔

میں نے کہا تھا نا! ہر جادوئی چیز ''جادو'' نہیں کر سکتی۔کبھی کبھی وہ بس چھوٹے موٹے کام ہی کر سکتی ہے۔ایک مترجم کا کام۔ایک بے زبان کی زبان کا کام۔ایک دوست کی طرح مددگار کا کام.....بس.....

اس کا الہ دین کا چراغ صرف ایک ٹرانسلٹر تھا۔جس ٹیولپ پیپر کو وہ کوئی بہت ہی خاص 'توپ نما چیز سمجھ رہی تھی' وہ بس اتنی سی چیز نکلا تھا کہ ایک عدد گونگے لڑکے کی زبان بولنے لگا تھا۔بس۔یعنی وہ اس لڑکے کی مترجم تھی.....وہ بولے گا اور وہ پڑھے گی۔

اس نے گھر آتے ہی ٹیولپ کو دیوار پر دے مارا تھا۔جیسی کا کیا یہ ایک عدد گھٹیا مذاق تھا۔اسے اب ایسے پیپر کی کوئی ضرورت نہیں تھی جو نہ پیسے دے' نہ کھانا' نہ کوئی اور جادوئی طاقت۔دے تو بس ایک عدد سہولت کہ آپ کسی بے زبان کی زبان سمجھ سکیں۔وہ بھی اس جیسے روڈ اور بدتمیز انسان کی۔جو نہ فٹ بالر تھا' نہ ہی کسی فلم کا ہیرو۔جس کے پاس کوئی گولڈ میڈل تھا اور نہ ہی کوئی ٹرافی۔اس کی تو شکل بھی پوری طرح سے عیسی سے نہیں ملتی تھی۔

کتنے ہی دن اسے دُکھ ہوتا رہا تھا۔شروع میں ٹیولپ سے ناامید ہونے کے باوجود اسے پوری امید تھی کہ ایک دن ضرور کچھ نہ کچھ نکلے گا۔جیسے کوئی ہیرے کی کان.....سونے چاندی کی دکان.....ضرور کچھ بڑا سا ہو گا.....

بیڑا غرق ہو تو گیا تھا.....اس کی خواہشات اور خوابوں کا.....

خوشحالی آئی نہیں تھی کہ ہر طرف تباہی چھا گئی تھی.....

تباہی نے اُداسی سے' ٹھوڑی کو ہاتھ کی ہتھیلی پر جما کر کھڑکی سے بھاگتی دوڑتی ٹریفک کو دیکھا۔وہ اداس تھی کہ اسے کوئی خاص فائدہ ہونے والا نہیں ہے۔اس کے سب خواب چکنا چور ہو چکے تھے۔اسے' اس لڑکے کا مترجم بننے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔اور اس میں بھلا اس کا فائدہ ہی کیا تھا۔

دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ہو گی وہی جینا' مینا' شینا' کافی مانگ رہی ہو گی۔وہ ویسے ہی ڈھیٹ بن کر بیٹھی رہی۔دستک پھر سے ہوئی۔وہ بے زاری سے اٹھی' کچن سے کافی اٹھائی اور دروازہ کھول دیا۔

''یہ لو! اور خدا کے لیے یا اپنی کافی لینا شروع کر دو یا میری جان چھوڑ دو۔میرا باپ لارڈ ہے نہ میری ماں مسز لارڈ' جو تمہیں اپنے کچن کی چیزیں اٹھا اٹھا کر دیتی رہوں۔''

''اسلام علیکم! کیسی ہو علیزہ بیٹا؟''مسٹر لارڈ آف دی رنگز کی والدہ محترمہ کھڑی مسکرا رہی تھیں۔وہ مسکرا بھی سکتی ہیں یہ اسے اب معلوم ہوا تھا۔

''آپ؟''

''اندر آ جاؤں نا؟''

اب کیا وہ اسے گھر کے اندر گھس کر بھی ماریں گی۔وہ بھی ایسے باقاعدہ مسکرا کر ہاتھ کو چینی عورتوں کی طرح سینے پر باندھ کر۔اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہے۔اس کے سرسری انداز سے بتائے گئے ایڈریس پر وہ پوری طرح سے آ موجود ہوئی تھیں۔

''اندر آ جائیں.....میں اور یہ.....''انہوں نے ہاتھ میں پکڑی چھوٹی سی باسکٹ کو اس کے سامنے کرتے ہوئے پوچھا۔باسکٹ میں سے کھانے کی خوشبو آ رہی تھی۔اس نے سر ہلا دیا۔وہ اندر آ گئیں۔

''تم دوبارہ آئی ہی نہیں۔ابوبکر تمہیں یاد کر رہا تھا۔''

وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔ابوبکر اسے کیسے یاد کر سکتا تھا۔اوہ! یہ کہیں یہ تو کہنے نہیں آئیں کہ تم ابوبکر سے شادی کر لو اس کا خیال رکھو۔میں بوڑھی ہو چکی ہوں،مجھ میں اب اتنی ہمت نہیں رہی.....وغیرہ وغیرہ.....

''میں یہ شادی نہیں کروں گی.....سوری آنٹی!''ایکدم سے اس کے منہ سے پھسل گیا۔

وہ حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگیں۔پھر ایک دم سے اداس سی ہو گئیں۔آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔

''دراصل میں نے تمہاری باتیں سن لی تھیں۔وہ جو تم کہہ رہی تھی نا کہ وہ جو بولتا ہے،وہ تم سن لیتی ہو۔وہ سب۔''

''اچھا وہ.....وہ میں مذاق کر رہی تھی.....ایسا کچھ نہیں ہے.....''

''مجھے اپنے بیٹے کی بات سمجھنے کے لیے الفاظ کی ضرورت نہیں پڑتی علیزہ!میں جان جاتی ہوں کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے،تو کیا میں یہ نہیں جان سکتی کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔تم تب سچ بول رہی تھی لیکن اب جھوٹ بول رہی ہو۔ایک ماں کا دل سب جانتا ہے۔''

وہ گڑبڑا گئی۔ماں کے دل نے اسے سہا دیا تھا۔کیا یہ خاتون اس سے ٹیولپ پیپر لینے آئی تھیں۔اچھا تو وہ اس کے بھی بھلا کس کام کا تھا۔وہ اٹھی اور اس نے وہ لا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

''وہ جو بولے گا وہ یہاں لکھا جائے گا۔آپ یہ لے جائیں۔میرے یہ کسی کام کا نہیں ہے۔''

''اچھا.....''خوشی سے وہ رونے لگیں۔''حادثے سے پہلے وہ ایک کتاب لکھ رہا تھا،جو نامکمل ہی رہی۔اب میں اس کی مدد کر سکتی ہوں۔وہ جو جو کہتا جائے گا میں وہ نوٹ کرتی جاؤں گی۔ایسے اس کی کتاب مکمل ہو جائے گی۔پھر وہ زندگی کی طرف لوٹ آئے گا۔وہ بھی عام لوگوں کی طرح خوش باش رہا کرے گا۔''

''ایک کاپی مجھے بھی دیجئے گا۔''وہ دانت پیس کر بولی۔(اس کی کتاب مکمل ہو جائے گی اور میرے خواب ادھورے رہ جائیں گے)

اسے دعائیں دیتی ہوئیں وہ چلی گئیں۔جس کی چیز تھی اسے مل گئی'پھر جپسی نے یہ کیوں کہا تھا کہ یہ اس کا ہے۔کیا خاک اس کا تھا۔ اسے کیا فائدہ ہوا۔صرف خواری'اور سہانے خوابوں کی تباہی۔

تباہی نے ایک لمبی آہ بھری۔پاپا نے کہا تھا کہ اتنی دور جا کر'اتنے مہنگے شہر میں نہ پڑھو۔لیکن وہ کیا کرتی'اسے نیویارک کا لچا لفنگا پن بڑا پسند تھا۔یہ ایک بدمعاش شہر تھا۔جہاں خالی جیب گھومنا بڑا برا سمجھا جاتا تھا۔اسے پسند تھا ایسا شہر جہاں انسانوں سے زیادہ ٹیکسیاں تھیں۔جو ہاتھ کے اشارے پر رکتی تھیں نہ منہ کی سیٹی پر۔ٹیکسی ڈرائیور خود کو بڑی توپ چیز سمجھتے تھے۔اور ٹیکسی پر سواری کرنے والے کو اس توپ کا گولہ بننا پڑتا تھا۔وہ پاپا کو کیسے سمجھاتی کہ نیویارک کی اونچی بلڈنگوں کو دیکھ دیکھ کر اسے کیسی خوشی حاصل ہوتی ہے.....

خوشی خاک میں مل چکی تھی۔اسے اچھی جاب نہیں مل سکتی تھی اور وہ بمشکل اپنے خرچے پورے کر رہی تھی۔پاپا اور ماما نے صاف ہاتھ اٹھا لیے تھے۔وہ تو بار بار اس پر طنز کرتے تھے۔''اور جاؤ اتنی دُور۔''

وہ دُور تک'دیر تک واک کرتی رہتی تھی۔سوچتی رہتی تھی کہ کاش ٹیولپ کسی کا کام کا نکل آتا تو آج صبح چائے کے لیے دودھ ساتھ والی سے ادھار نہ لینا پڑتا۔لانڈری کے لیے واشنگ پاؤڈر تک ختم ہو چکا تھا۔

''تم نے میرے ساتھ مذاق کیا تھا کیا؟ یہ تو خالی رہتا ہے۔''اگلے دن وہ یونیورسٹی سے آئی تو اسے اپارٹمنٹ کے دروازے کے پاس ابوبکر کی ماں کھڑی ہوئی ملیں۔شاید وہ کافی دیر سے وہاں کھڑی تھیں۔اسے دیکھتے ہی بولنے لگیں۔

''اچھا.....اوہ.....شاید اس نے کام کرنا بند کر دیا ہے۔''اسے زیادہ دلچسپی نہیں تھی کہ اس نے کام کیا یا نہیں۔اس کی بلا سے۔

''ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ صرف تمہارے ہاتھ سے کام کرتا ہو۔تم ایسا کرو میرے ساتھ چلو۔ابھی دیکھ لیتے ہیں۔''

''میں.....لیکن میں کیوں جاؤں؟ ویسے بھی میں بہت مصروف ہوں۔''اس نے سنگدلی سے شانے اچکائے اور لاک کھولنے لگی۔

''میں اندر آ کر ایک کپ چائے پی سکتی ہوں۔دراصل میں کافی دیر سے یہاں کھڑی ہوں۔''انہوں نے لجاجت سے کہا۔وہ انکار نہیں کر سکتی تھی۔انہیں اپنے ساتھ اندر لے آئی۔وہ بیٹھ گئیں تو وہ فریش ہونے کے لیے چلی گئی۔

''آ جاؤ'پہلے کھانا کھا لو۔چائے بھی بس تیار ہے۔''

وہ فریش ہو کر باہر نکلی تو وہ فریج میں سے کھانا نکال کر گرم کر چکی تھیں اور اب اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

''یہ سب آپ نے کیوں کیا؟''وہ بے حد شرمندہ ہوئی۔

''سچ بتاؤں تو میں اپنے بیٹے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔تمہیں راضی کرنے کے لیے بھی۔''

وہ خاموش رہی اور ان کی پلیٹ میں کھانا نکال کر ان کے آگے پلیٹ سرکا دی۔''آپ یہ کھائیں۔پھر بات کرتے ہیں۔''

فرمانبرداری سے انہوں نے کھانا' کھانا شروع کر دیا۔وہ دیکھ سکتی تھی کہ ابوبکر کی ماں کے لیے نوالے چبانا کتنا مشکل ہو رہا ہے۔وہ جلد سے جلد اس کا جواب سننا چاہتی تھیں۔

''تم میرے بیٹے کی مدد کرو گی نا؟''جیسے ہی پلیٹ صاف ہوئی انہوں نے بڑی آس سے پوچھا۔وہ پھر سے صاف انکار کر دینا

چاہتی تھی لیکن ماں کی محبت نے اس کے لب سی دیئے تھے۔

''میں مجبور ہوں' مجھے یونیورسٹی جانا ہوتا ہے' پھر جاب پر۔ میں ادھر ادھر ٹائم ویسٹ نہیں کر سکتی۔''

''تم جتنا وقت اس کے ساتھ رہو گی میں تمہیں اس کے لیے پے کروں گی۔ تمہیں تنخواہ دوں گی۔ میں بہت زیادہ امیر نہیں ہوں' لیکن اپنے بیٹے کی زندگی کے لیے میں اپنی جان بھی دے سکتی ہوں۔ اس آخری حادثے نے اسے بالکل ناامید کر دیا ہے۔ وہ ہنسنا' مسکرانا بھول گیا ہے۔ اگر وہ پیدائشی ایسا ہوتا تو اور بات تھی۔ معذوری اتنی تکلیف دہ نہیں ہے' جتنی خاموشی۔ شروع میں اس نے حالات کا مقابلہ کرنے کی بہت کوشش کی تھی۔ اسے پوری اُمید تھی کہ اس کا ہاتھ ٹھیک ہو جائے گا۔ دو آپریشن ہو چکے ہیں لیکن نہ زبان ٹھیک ہو رہی ہے نہ ہاتھ۔ تمہیں اللہ نے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ تم چاہو تو اس کی مدد کر سکتی ہو۔''

''لیکن میں کیا مدد کر سکتی ہوں؟''

''تم اس کے ذریعے اس کی زندگی میں تبدیلی لا سکتی ہو۔ تم اس سے بات چیت کر سکتی ہو۔ اسے سن سکتی ہو۔ وہ کیا کہنا اور کیا کرنا چاہتا ہے' اس سلسلے میں تم اس کی مددگار بن سکتی ہو۔''

''لیکن مجھے اس سے بات چیت میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں یہ سب نہیں کر سکتی۔ آپ سمجھنے کی کوشش کریں پلیز۔''

''میں سب سمجھ چکی ہوں اسی لیے تو تمہارے پاس آئی ہوں۔ دیکھو ایک ماں اپنی اولاد کی خوشی کے لیے کسی کے پاس بھی جانے سے نہیں چوکتی۔ تم جو کہو گی میں وہ سب کروں گی۔ میرے پاس کچھ جیولری ہے۔ ابوبکر کے فادر تیس سال پہلے یہاں کام کے لیے آئے تھے۔ پھر انہوں نے مجھے بھی یہاں بلا لیا تھا۔ ابوبکر یہیں پیدا ہوا تھا۔ ہم نے ایک مشقت بھری زندگی گزاری ہے۔ میں اور ابوبکر کے فادر رات دن کام کیا کرتے تھے۔ ابوبکر سترہ سال کا تھا جب' رحمان کی ڈیتھ ہو گئی۔ پھر میں نے اکیلے ہی اس کی دیکھ بھال کی۔ گھر لیا۔ اس کے آپریشن کے لیے پیسے جمع کیے۔ ہم اپنی زندگی سے خوش تھے۔ لیکن اب میں جب جب ابوبکر کو ایسے دیکھتی ہوں تو دل کٹ کر رہ جاتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ وہ موت کے بارے میں سوچتا رہتا ہے۔ شاید اسے اپنی زندگی میں اندھیرہ ہی اندھرہ نظر آتا ہے۔''

موت کا سن کر وہ ٹھٹکی تھی۔

''وہ کچھ نہ بھی کہے تو میں سب جان جاتی ہوں۔ زندگی میں اس کی دلچسپی ختم ہو چکی ہے۔'' بیگ سے ایک لفافہ نکال کر انہوں نے اس کے سامنے رکھا۔ ''اس میں کچھ پیسے ہیں۔ یہ میں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں۔''

وہ ہکا بکا ان کی شکل دیکھتی رہ گئی۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ لالچی تھی' اس کی وارڈروب خالی تھی۔ اسے ایک عدد گرم کوٹ' نہیں ایک عدد ڈیزائنر' فیشن ایبل کوٹ کی ضرورت تھی۔ نئی جینز اور اسنیکرز کی بھی۔ لیکن پھر بھی.....

''لیکن یہ سب..... یہ کیا ہے؟؟'' وہ ہکلا سی گئی۔ پیسوں کو انکار کرنا ہمت والوں کا کام ہوتا ہے۔

''یہ میری طرف سے چھوٹا سا تحفہ ہے۔ میری زندگی کی کل پونجی صرف اور صرف میرا بیٹا ہے۔ باقی دنیا کی دولت سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے۔ تم میرا سب کچھ لے لینا' لیکن میرے بیٹے کی دل کی بات سن لیا کرو۔ اس کے چند فرینڈز تھے۔ اچھے تھے وہ بھی۔ ایک تو

آسٹریلیا چلا گیا ہے' وہ ویڈیو کال پر کبھی کبھی بات کر لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہی بولتا رہتا ہے' ابوبکر یا مسکرا سکتا ہے' یا سر کے اشاروں سے ہاں ناں کر سکتا ہے۔ دوسرے فرینڈز پہلے تو آ جاتے تھے لیکن اب نہیں آتے۔ شاید انہیں بھی میرے بیٹے کی ضرورت نہیں رہی۔ میں جانتی ہوں کہ ابوبکر جیسے انسان سے دوستی نبھانا آسان نہیں ہوتا۔ لیکن جب مجھ جیسی ماں ''محبت'' نبھا سکتی ہے تو تم جیسے لوگ تھوڑی بہت دوستی اور انسانیت تو نبھا ہی سکتے ہو نا؟'' پھر سے لفافے کو اس کے آگے کیا۔

آپ کو کیا لگتا ہے کہ اس نے پیسوں کا کیا ہوگا؟ اس نے ''نہیں' نہیں' یہ آپ رکھیں کہہ کر واپس کر دیئے ہوں گے؟

نہیں..... اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ پیسے پکڑ لیے' اور انہیں اپنے بیگ میں رکھ لیا۔ ہر کام کی اجرت ہوتی ہے' تو اس کام کی بھی کیوں نہیں۔ بے رحم اور لالچی ہونا بہت دل گردے کا کام ہوتا ہے۔ جو بندہ نیویارک شہر میں رہے گا' وہ بندہ تھوڑا بہت خودغرض تو ہوگا ہی۔ کیونکہ نیک اور شریف ہونے سے ''کھانا نہیں ملتا' شاپنگ نہیں ہوتی۔ زارا کے ٹاپ اور گوچی کی جیکٹ نہیں آتی۔ ہم انسانوں کی ضرورتیں اتنی نہیں ہیں' جتنی خواہشیں ہیں۔ انسان کو ضرورت نہیں خواہش بے رحم بناتی ہے۔

''آپ اصرار کر رہی ہیں تو کیوں نہیں۔'' چالاکی اور مکاری سے اس نے کہا۔ (کبھی کبھی کہانی کی ہیروئن بھی devil بن جاتی ہے)

اگلے دن یونیورسٹی کے بعد ابوبکر کے پاس جانے سے پہلے اس نے تھوڑی سی تیاری کر لی تھی۔ یہ اب اس کی جاب تھی تو اسے تھوڑا بہت اہتمام کر لینا چاہیے تھا۔ اس نے ٹیولپ کو کھول کر' پھیلا کر' موبائل کی پشت پر چپکایا اور اُوپر ٹرانسپیرنٹ کوور چڑھا لیا تھا۔ اب وہ ٹیولپ کو موبائل اسکرین کی طرح پڑھ سکتی تھی۔

وہ مسٹر مطلوبہ کے پاس پہنچی تو آنٹی نے اسے خوشدلی سے خوش آمدید کہا۔

'آج سے میں روز تم سے ملنے آیا کروں گی۔''

اس نے خوش ہو کر ابوبکر سے کہا۔ ٹیولپ کو پڑھا تو بلینک تھا۔ اگلے ایک گھنٹے تک وہ بلینک رہا تھا۔ آنٹی اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کچن میں لے کر جا کر پوچھ رہی تھیں۔

''آج اس نے کیا کہا؟''

آج وہ تو پتا نہیں کیا کیا کہتا رہا تھا' لیکن اس کا ٹیولپ گونگا بنا رہا تھا۔ اس نے کام کرنا بند کر دیا تھا' یا وہ ٹک کر کام کرنے کا عادی نہیں بن پا رہا تھا۔ اسے بے روزگاری کی عادت ہو چکی تھی یا وہ نکما اسے کچھ کما کر دینے پر تیار نہیں ہو پا رہا تھا۔ یا وہ ہڑتال پر تھا۔ یہ جیسی لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں۔ ایسی بے کار چیز اسے پکڑا دی۔ اچھی بھلی گھر بیٹھے بٹھائے جاب ملی تھی۔ وہ بھی ہاتھ سے گئی۔ اگلے دو دن وہ ابوبکر کے پاس جاتی رہی لیکن ٹیولپ خاموش رہا۔ وہ آئیں بائیں شائیں کرتی رہتی۔ آنٹی سے جھوٹ بول دیتی تھی کہ آج یہ یہ باتیں ہوئی ہیں۔ وہ یہ یہ کہہ رہا تھا۔ اس دوران ابوبکر اسے مشکوک نظروں سے دیکھتا رہتا تھا۔ کبھی وہ پہلو بدلتا۔ کبھی ایسا لگتا کہ وہ اپنا بازو ہلانا چاہتا ہے اور گھما کر

ایک مکا اس کے جبڑے پر دے مارنا چاہتا ہے۔

''گیٹ لاسٹ.....'' اور چلا کر یہ کہنا چاہتا ہے۔

اس نے بڑی ترکیبیں لڑائیاں کہ ٹیولپ پہلے کی طرح کام کرنا شروع کر دے لیکن نہیں جی۔ آخر کار وہ سب سمجھ گئی۔ اس نے ایک گہری آہ بھری۔ تو اس کی جیبیں خالی ہی رہیں گی۔ وہ امیر نہیں ہو گی۔ نہ ٹیولپ سے ڈالر ملیں گے اور نہ ہی ٹیولپ کے ذریعے۔ اگلے دن وہ ابوبکر سے ملنے کے لیے آئی تو آنٹی کا دیا لفافہ ساتھ لیتی آئی۔

''میں یہ پیسے نہیں رکھ سکتی۔ تھوڑی دوستی اور زیادہ انسانیت' کے لیے میں ابوبکر سے ملتے رہنا چاہتی ہوں۔'' (دل اور جیب پر پتھر رکھ کر)۔'' اس نے کہا۔ آنٹی تو خوشی سے کھل اُٹھیں۔ اس لیے نہیں کہ پیسے واپس مل گئے تھے۔ اس لیے کہ ابوبکر کو ایک انسان دوست' ساتھی مل گیا تھا۔

وہ ابوبکر کے پاس آ کر بیٹھی تو ٹیولپ نے دھڑا دھڑ کام کرنا شروع کر دیا۔ دل تو اس کا چاہا کہ اس کا گلا دبا دے ورنہ آگ میں جھونک دے۔ پر کیا کرتی' بے جان چیزوں پر انسان کتنا بھی غصہ نکال لے' کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

''یہ تم کیا جوکر کی طرح تماشے کرتی رہتی ہو؟؟؟ کیوں اتنا جھوٹ بولتی ہو میری ماں کے ساتھ؟'' ابوبکر کے چہرے کے عضلات غصے سے کھنچے ہوئے تھے۔

اس نے منہ بنا کر اسے چڑایا۔'' تو اس نیویارک جیسے بھوت شہر میں رہنے کے لیے تمہارا کیا خیال ہے مجھے کیا کرنا چاہیے؟؟ الٹا لٹک جاؤں تو بھی اتنے پیسے نہیں ملتے۔ ایک تو گھر کا کرایہ اتنا ہے' اوپر سے ساری دنیا کا قرض دینا ہے مجھے۔''

''اب دفعہ ہو جاؤ یہاں سے اور دوبارہ نہ آنا۔'' وہ کامل ترین سنجیدہ تھا

اسے غصہ آیا لیکن وہ پی گئی۔'' کافی پینے چلیں؟'' اس نے ذرا بلند آواز سے کہا۔ آنٹی باہر آئیں' ابوبکر کو کوٹ پہنایا اور کافی کے لیے علیزہ کے ہاتھ میں پیسے دیئے۔

''ہاں لے جاؤ اسے۔ بہت دنوں سے یہ بھی باہر نہیں نکلا۔'' وہ بڑی خوش تھیں۔ اور وہ کمینگی سے مسکرا رہی تھی۔

جب وہ سڑک پر چل رہے تھے تو وہ اپنے ناخن کتر رہی تھی۔ اس نے جو جوگر پہنے ہوئے تھے وہ ایڑی سے تھوڑے سے پھٹے ہوئے تھے۔ اس کی پینٹ بھی کافی گھسی ہوئی تھی' جو سویٹر اس نے پہنا تھا وہ بدرنگ سا تھا۔ (صرف نہیں تھا تو وہ دھلا نہیں تھا)

''لگتا ہے کافی غریب ہو تم۔''

''تمہیں تو صرف لگتا ہے نا..... مجھے تو غربت لگی ہوئی ہے۔ بری طرح سے' پوری طرح سے۔ ڈھپہ۔ ٹھاں۔''

اس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنی کمر کی طرف ''غربت کا خیالی ڈھپہ'' لگایا تو ابوبکر نے قہقہہ لگایا۔ جن لوگوں کی زبان تالو سے لگی ہوئی ہو' وہ جب قہقہہ لگاتے ہیں تو..... تو وہ کسی بچے کی طرح لگتے ہیں۔ معصوم اور بے ضرر۔

''غریب ہونا برا نہیں ہوتا' معذور ہونا برا ہوتا ہے۔'' جلد ہی اس کا قہقہہ دم توڑ گیا۔

وہ چونک گئی اور اسے دیکھنے لگی۔واقعی جیب خالی ہو تو چلتا ہے' لیکن اگر جسم کا کوئی حصہ ناکارہ ہو تو.....

''ماما نے تم سے کیا کہا ہے کہ میں بس مرنے والا ہوں؟''

''ہاں.....ان کا کہنا ہے کہ تم زندگی سے بے زار ہو چکے ہو۔مایوس ہو۔''

''مائیں پتا نہیں یہ سب کیسے جان جاتی ہیں۔کون سا آلہ فٹ ہوتا ہے ان کے دلوں میں۔''

''اور تم میری مدد کیوں کرنا چاہتی ہو؟''وہ بڑے سنجیدہ سوال کر رہا تھا۔

''میں اسکول میں تھی' جب پیسوں کے لیے جھوٹ موٹ تاش کے پتوں سے فیوچر بتایا کرتی تھی۔میری دُور کی نظر کمزور ہے مجھے دس فٹ سے آگے صاف دکھائی نہیں دیتا تو کسی کا فیوچر کیسے دکھائی دے سکتا ہے۔لیکن پتا نہیں کیسے' میں جو جو بتاتی تھی' وہ وہ تیس چالیس فیصد سہی ثابت ہو جاتا تھا۔میرے بارے میں یہ مشہور ہو چکا تھا کہ میری بتائی باتیں سچ ثابت ہوتی ہیں۔ایک دن میری کلاس فیلو اپنی ایک کزن کو لے کر میری پاس آئی۔وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ وہ فیوچر میں کیا بنے گی۔یہ مشکل وقت ہوتا ہے۔کئی بار میرے تکے فیل ہو جاتے تھے۔مجھے احتیاط سے کام لینا پڑتا تھا۔میں نے دیکھا کہ لڑکی کو عینک لگی ہوئی ہے۔وہ دیکھنے میں بھی ذہین نظر آ رہی تھی۔میں نے کہہ دیا کہ وہ سائنس کے شعبے میں کوئی کمال دکھائے گی۔ڈاکٹر یا سائنس دان بنے گی۔میرے جواب پر لڑکی خاموش ہو گئی۔اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

''کیا تمہیں یقین ہے۔''اس نے بڑی مسکین سی صورت بنا کر پوچھا۔

مجھے خاک یقین ہونا تھا لیکن اب میں اپنے الفاظ واپس نہیں لے سکتی تھی۔اس بزنس میں الفاظ واپس نہیں لیے جا سکتے۔ساکھ تباہ ہو جاتی ہے۔خیر میں نے سر ہلا دیا کہ ہاں۔اور یہی میری سب سے بڑی غلطی تھی۔ایک مہینے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اس نے خودکشی کر لی ہے۔وہ میوزک اسکول جانا چاہتی تھی لیکن اس کے ڈاکٹر فادر اسے ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے۔میرے منہ سے بھی سائنس کو سن کر اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ ڈاکٹر ہی بنے گی۔

''تو اس نے مرنا پسند کیا؟''ابوبکر نے طنزیہ پوچھا۔

''ہاں.....''

''اس کے بعد بھی تم لوگوں کی جانوں کے ساتھ ایسے ہی کھیلتی رہی؟''

''مجھے اسکول سے نکال دیا گیا تھا۔''

''اس لڑکی کی وجہ سے؟''

''نہیں.....ایک معمولی سی غلطی پر.....میں نے ایک چھوٹے قد کی لڑکی پر مذاقاً کچھ طنز کیے تھے۔جو اسکول میں اتنے مشہور (بدنام) ہو گئے کہ مجھ پر ''نسل پرست'' ہونے کا الزام لگ گیا۔اسٹوڈنٹس کے والدین نے مطالبہ کیا کہ مجھے اسکول سے نکال دیا جائے۔آخر کار مجھے خارج کر دیا گیا۔پھر میرے ساتھ سب کچھ برا ہی ہوتا چلا گیا۔دو بار میرا ایکسیڈنٹ ہوا۔ایک بار میرا اپنڈکس کا آپریشن ہوا۔اگر میں بروقت ہاسپٹل نہ پہنچی تو اپنڈکس پھٹ جاتی۔میں مر جاتی۔اور اس وقت تمہاری باتیں سننے کے لیے کوئی موجود نہ

ہوتا۔تم تنہا رہ کر تھک جاتے۔اور پھر تنہائی کی موت مر جاتے.....اوہ.....میرا مطلب.....خیر.....''

''تو یہ تمہاری سزا ہے.....؟''ابوبکر نے منہ بنا کر پوچھا۔وہ اتنا غیر ضروری بولتی تھی کہ شدت سے ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ اس کی زبان کو تھوڑا بہت کاٹ دیا جائے۔

''نہیں.....میری سزا تم ہو.....اگر تم واقعی میں زندگی سے مایوس ہو چکے ہو تو مجھے تمہیں زندگی کی واپس طرف لانا ہے۔''اس نے ایسے کہا جیسے رومی، رومن اکھاڑے میں ہاتھ لہرا کر کہتا ہے۔''میں ہوں تمہارا نجات دہندہ۔''

''تو پھر میری ماں سے ڈالر کیوں لیے تھے.....؟''وہ دانت پیس کر بولا

''اب ایسی بھی فرشتہ نہیں بن گئی میں۔ابھی بھی غلطیاں ہو جاتی ہیں مجھ سے۔پھر میں غریب بھی تو ہوں۔اس ٹیولپ نے میری روزی روٹی پر لات ماردی۔''

''ٹھیک ہے،میں تمہاری مدد کروں گا۔''اگر وہ ایک رومن کی طرح ''نجات دہندہ'' کا نعرہ لگا سکتی تھی تو کم وہ بھی نہیں تھا۔گاڈفادر کی طرح اس نے بھی سر ہلا کر کہا۔''میں ہوں نا! تمہارا گاڈفادر!''

وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔مدد وہ کر رہی تھی اس کی۔لیکن چلو بے چارہ خوش فہمی میں رہ لے کوئی بات نہیں۔پھر وہ گونگا بھی تو ہے۔

''میرا ایک دوست ہے،بلکہ تھا.....اچھی دوستی تھی ہماری.....پھر اس نے دوستی ختم کر دی۔''

''وہ تو اس نے اچھا کیا.....''اس کی زبان سے پھسلا۔اس نے اپنی زبان دانت میں دبالی۔

''تو آج ہم اس سے ملنے جائیں گے.....چلو آجاؤ۔''وہ مارچ کرنے کے انداز سے قدم اٹھانے لگا۔

اس نے سر ہلا دیا اور ٹیکسی کو ہاتھ دینے لگی۔

''یہ تم ٹیکسی کیوں روک رہی ہو؟اتنے پیسے نہیں ہیں میرے پاس۔بس ہے نا،بیٹھو اس میں.....''

وہ خاموشی سے بس اسٹاپ پر آ کر کھڑی ہو گئی۔غریب کی کہاں اتنی جلدی سنی جاتی ہے۔بسوں کے دھکے،پھٹی جینز،بچے ہوئے پیزا،برگر،گھونٹ گھونٹ مانگی ہوئی کوک،اور گھنٹوں کی خالی خولی ونڈو شاپنگ.....یہ ٹیکسیاں،ہوم ڈیلیوری،آن لائن شاپنگ،یہ تو امیروں کے چونچلے تھے.....آہ.....کوئی غریب نہ ہو.....

وہ بس میں اس کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی۔منہ لٹکا لیا۔بیگ میں سے ببل گم نکال کر کھانے لگی۔

''ساتھ بیٹھے ہوئے کو بھی پوچھ لیتے ہیں۔''اس نے طنز کیا۔

''تم ببل کھا لیتے ہو؟''وہ خواہ مخواہ حیران ہوئی۔(ببل تھی یا بیل جو کوئی کوئی کھا سکتا ہے۔)

''گونگا ہوں بول نہیں سکتا۔لیکن زبان ہے،دانت بھی ہیں،سب کھا سکتا ہوں۔کس دنیا میں رہتی رہی ہو تم؟''

''زبان والوں کی دنیا میں۔کسی گونگے کے ساتھ رہنے کا یہ میرا پہلا تجربہ ہے۔اس لیے سب کچھ بدلا بدلا،یعنی عجیب

وغریب.....اوہ.....یعنی سمجھ سے بالاتر لگ رہا ہے۔ویسے بھی لڑکے ببل گم کھاتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔لڑکیوں پر سوٹ کرتا ہے یہ۔''
اس نے غبارہ پھلایا اور اشارہ کر کے اترا کر کہا۔

''اور لڑکوں پر یہ سوٹ کرتا ہے۔''اس نے سر کو ٹکر مارنے کے انداز سے جھکایا اور کوٹ کے کالر سے غبارہ پھوڑ دیا۔ببل بڑی تھی' اس کا غبارہ بھی بڑا تھا۔پھٹا تو منہ پر نقش ونگار بنا گیا۔پہلے غبارہ پھلا تھا' اب اس کا منہ پھول گیا۔

''کہنا کیا ہے تمہارے فرینڈ سے؟''

وہ اسے بتانے لگا کہ اس سے کیا کہنا ہے۔وہ اس کی یونیورسٹی پہنچ چکے تھے۔کچھ ہی دیر میں اس نے اسے ڈھونڈ بھی لیا تھا۔

''تم نے ابوبکر کا کچھ قرض دینا ہے' وہ دے دو پلیز۔''رسمی تعارف کے بعد اس نے کہا۔وہ ابوبکر کی شکل دیکھنے لگا۔

''میں نے تمہارا قرض دینا ہے.....کیا مذاق کر رہے ہو یار!''

''جب ہم آخری بار ملے تھے تو تم نے مجھ سے پورے تین سو ڈالر لیے تھے۔پھر میرے ساتھ یہ حادثہ ہو گیا۔میں کسی کو بتا ہی نہیں سکا کہ میں نے تمہیں اتنے پیسے دیئے ہیں۔تم نے بھی واپس نہیں کیے۔اب میرے پیسے واپس کر دو۔''

وہ ہنسنے لگا۔''مس کیا بات کر رہی ہیں آپ! مجھے کسی سے پیسے لینے کی ضرورت نہیں ہے۔یہ تو پاگل ہو گیا ہے' اور پھر کیا ثبوت ہے اس کے پاس کہ میں نے پیسے لیے تھے؟وہ بھی پورے تین سو ڈالر.....''

ہاں اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔ایک گونگا انسان کیا ثبوت دے گا۔نہ وہ بول سکتا تھا نہ ہاتھ سے گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ سکتا تھا۔تین سو ڈالر اتنی بڑی رقم نہیں تھی۔لیکن ایسی معمولی بھی نہیں تھی۔بات نفع نقصان سے زیادہ بے حسی کی تھی۔

''اب میرا یہ قرض لینا تمہاری ذمہ داری ہے' کیونکہ میں تمہاری ذمہ داری ہوں۔''تیس منٹ کی بحث وتکرار کے بعد بھی اس کا دوست فہد نہیں مانا تو وہ اس کی طرف رخ موڑ کر کہنے لگا تھا۔

''اب تم ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو.....''وہ چڑ گئی۔

''ہاں.....شاید.....لیکن تم دیکھ رہی ہو کہ دوسروں نے بھی میرا کتنا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔''اس کے الفاظ میں اتنی تلخی تھی تو اس کے لہجے میں کتنی ہو گی۔اگر وہ بول سکتا تو۔

''تم یہ سمجھ لو کہ تم نے کسی کو کوئی قرض دیا ہی نہیں۔''

''تو تم ہمت ہار رہی ہو۔تمہارے پاس زبان ہے۔دو ہاتھ ہیں۔اور تم ہمت ہار رہی ہو۔''

وہ چپ اس کی شکل دیکھنے لگی تھی۔''میں اس طرح کے جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہتی۔''

''یہ جھگڑا نہیں انصاف ہے۔بات تین سو ڈالر کی نہیں ہے' بات حق کی ہے۔تمہیں حق کے لیے لڑنا چاہیے۔''

وہ حیرانی سے آنکھیں جھپک کر اس گاڈفادر کو دیکھنے لگی۔اب وہ سمجھ گئی تھی کہ جب وہ پاپا کے سامنے ایسے بڑے بڑے ڈائیلاگ بولتی تھی تو وہ کیسا محسوس کرتے تھے۔

''باتیں بنانی آسان ہوتی ہیں۔''اس نے اپنی ہنسی چھپانے کی کوشش کی۔

''تم باتیں نہ بناؤنا.....کام بناؤ.....میرے پیسے لا کر دو مجھے واپس.....آسانی سے یا مشکل سے۔کیسے بھی۔وہ میں نہیں جانتا۔''

چلتے چلتے وہ رک گئی۔مڑ کر اسے دیکھا۔''سارے برے حادثے میرے ساتھ ہونے ضروری تھے۔''طنزیہ کہا۔

''تم ایک لڑکی کی جان لے چکی ہو۔میں تمہاری سزا ہوں اور سزائیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔بری اور تکلیف دہ۔''اس نے صاف گوئی سے کہا۔

سزائیں ایسی بھی ہوتی ہیں.....ابوبکر جیسی.....معصوم اور بے ضرر.....

وہ ٹیولپ کو پھاڑ کر پھینک دینا چاہتی تھی۔وہ کسی کی ملازم تھی جو خوار ہوتی پھرے۔وہ ابوبکر کے پاس انسانیت کے ناطے گئی تھی تاکہ تھوڑا بہت اسے سن سکے۔دوستی کر سکے۔اس کی ماں کو اس کے دل کی بات بتا سکے۔کبھی کبھار اس کے ساتھ باہر جا سکے تاکہ وہ بہل جائے اور ناامید نہ ہو۔یہ سب وہ تھوڑی سی دوستی اور زیادہ ہمدردی میں کر رہی تھی۔لیکن اب وہ اس کے لیے یہ سب کام نہیں کر سکتی تھی۔کل وہ اس سے کہے گا کہ میرے لیے کسی پہاڑ سے کود جاؤ.....تو.....کیا اسے کود جانا چاہیے.....؟

وہ بری طرح سے تھکی ہوئی تھی۔چڑچڑی ہو رہی تھی۔گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔اسے بہت بھوک لگی تھی اور کوکنگ کی ہمت نہیں تھی۔دودھ پی کر وہ سونے لگی تو ڈور بیل ہوئی۔دروازہ کھولا تو ساتھ والے اپارٹمنٹ کی جینا مینا شینا کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''تم گھر نہیں تھیں تو کوئی آیا تھا اور یہ دے گیا تھا۔''

ایک بڑا سا ڈبہ اس نے آگے کیا۔اس نے کھولا تو اندر چکن رائس تھے۔لیکن ڈبہ آدھا خالی تھا۔کیوں؟ کیونکہ جس نے اسے دو گھنٹے اپنے فریج میں رکھنے کی زحمت کی تھی اس نے اسے آدھا کھا لینے کی زحمت بھی کر لی تھی۔چور اور ڈاکو صرف سڑکوں پر ہی نہیں گھومتے پھرتے' وہ گھروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔میک اپ کرتے ہیں' یونیورسٹی جاتے ہیں' اور ڈھٹائی سے مسکراتے ہیں۔

''بہت مزے کے ہیں۔''اس نے چٹخارہ سا لیا تو اس نے منہ بنا کر اس کے منہ پر دروازہ بند کر دیا۔

وہ ابوبکر کی ماں تھیں جنہوں نے اس کے لیے یہ چاول بھیجے تھے۔چاول کھاتے کھاتے اس کی آنکھیں نم سی ہو گئیں۔وہ ماں تھیں اور اپنی پوری کوشش کر رہی تھیں کہ وہ ابوبکر سے ملتی رہے۔بیٹے کو زندگی کی طرف واپس لے آئے۔

''ابوبکر آج رات جلدی سو گیا تھا' وہ خراٹے لے رہا تھا۔تمہارا شکریہ۔''ڈبے میں نوٹ بھی آیا تھا۔

''اوہ.....''اس نے آہ بھری۔

چاول کھا کر اس نے باقی فریج میں رکھ دیئے۔اب اسے وہ قرض واپس لینا تھا جو ابوبکر کے دوست کے پاس پھنسا ہوا تھا۔وہ قرض کیسے لینا ہے وہ نہیں جانتی تھی۔لیکن شاید ٹیولپ بھائی جانتے تھے۔اس نے اسے کھولا تو اس پر ایک ڈائری کی تصویر دکھائی دے رہی تھی۔دن' تاریخ اور ''ابوبکر تین سو ڈالر'' کے نوٹ کے ساتھ۔

''یہ ڈائری کس کی تھی.....؟؟''

اگلے دن وہ شام کو فہد کے گھر پہنچ گئی۔اس کے فادر سیاسی پروگرام دیکھ رہے تھے اور امی جان کونے میں بیٹھیں تسبیح پڑھ رہی تھیں۔اس نے بہت مودب انداز سے سب کو سلام کیا۔اسے بٹھایا گیا اور اندر سے فہد کو بلا کر لایا گیا تھا۔فہد باہر آیا تو اسے دیکھ کر اس کا رنگ اڑ گیا لیکن اس نے خود کو کمپوز رکھا۔

''تم.....تم مجھے تنگ کرنے یہاں بھی آ گئی ہو۔وہ جھوٹ بول رہا ہے۔اسے عادت ہے جھوٹ بولنے کی۔''اس کے سامنے بیٹھ کر وہ آواز دھیمی رکھ کر کہنے لگا۔وہ بار بار اپنے باپ کو کن اکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔

اس نے سر ہلا دیا۔''ٹھیک ہے۔تمہاری ایک ڈائری ہے' نیلے رنگ کی' وہ مجھے دکھا دو پلیز۔''

اس کے چہرے کے رنگ اُڑ گئے۔''میری ڈائری نیلے رنگ کی ہے یہ تمہیں کیسے پتا؟''

''مجھے اور بھی بہت کچھ معلوم ہے۔تم بس وہ ڈائری لا دو۔''

فہد کی امی اس کے لیے چائے اور لوازمات لائی تھیں۔وہ کپ اسے پکڑا رہی تھیں کہ ڈائری والی بات پر چونک کر علیزہ کو دیکھنے لگیں۔

''کیا معاملہ ہے فہد؟''انہوں نے کڑی نظروں سے بیٹے کو گھورا۔

''دراصل فہد نے ابوبکر سے کچھ قرض لیا تھا' اب یہ واپس نہیں کر رہا۔''اس نے دبنگ انداز اور بلند آواز سے کہا کہ سیاسی پروگرام دیکھتے اس کے فادر نے گردن موڑ کر فہد کو دیکھا۔ٹی وی کی آواز کم کی اور پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''تم نے ابوبکر سے پیسے کیوں لیے تھے۔کہاں خرچ کرنے تھے؟''

فہد کا رنگ فق ہو چکا تھا۔لیکن اس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا۔''پاپا یہ جھوٹ بول رہی ہے۔مجھے کیا ضرورت ہے ابوبکر سے قرض لینے کی۔آپ جانتے ہی ہیں کہ ابوبکر کے اپنے حالات کتنے خراب رہتے ہیں۔وہ تو مجھ سے پیسے مانگ رہا تھا.....ویسے تم ابوبکر کی کون ہو؟''باپ سے بات کرنے کے بعد وہ اپنا غصہ دباتے ہوئے اس کی طرف مڑا۔اس کے انداز بتا رہے تھے کہ وہ کسی صورت نہیں مانے گا کہ اس نے کچھ پیسے لیے ہیں۔

''اس نے مجھے اپنا سیکریری رکھا ہے۔''

وہ طنز سے ہنس دیا۔''جوانسان دونوں ہاتھوں سے معذور اور جیب سے کنگال ہے' وہ سیکریری کیوں رکھے گا؟''

''وہ ہاتھ سے معذور اور جیب سے کنگال ضرور ہے' لیکن وہ جھوٹا' بے ایمان' اور دوسروں کا حق مارنے والا نہیں ہے۔جاؤ اور جا کر اپنی نیلی ڈائری لاؤ' جس میں تم نے اس قرض کے بارے میں ایک نوٹ لکھا ہوا ہے۔''اس نے کچھ ایسے تحکم سے کہا کہ لاؤنج میں سناٹا پھیل گیا۔

''جاؤ جا کر ڈائری لاؤ۔''اس کے باپ نے بھی تیز آواز سے کہا۔

وہ گیا' ڈائری لایا' اور اس کی سمت اچھال دی۔ ظاہر ہے اس میں سے وہ صفحہ غائب تھا' جس پر قرض کی یادداشت لکھی ہوئی تھی۔

''تم صفحہ پھاڑ کر پھینک آئے ہو؟ ہے نا؟'' اسے ڈائری کھول کر دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

وہ ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے روکتا' وہ جلدی سے اٹھ کر اس کے کمرے میں گئی اور اسے اسٹڈی ٹیبل کی دراز میں سے وہ پھٹا ہوا صفحہ مل گیا۔ اس نے وہ صفحہ فہد کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تو وہ تمسخر سے ہنس دیا۔

''تم یہ کیسے ثابت کرو گی کہ میں نے اسے یہ قرض واپس نہیں کیا۔ میں یہ بھی تو کہہ سکتا ہوں کہ میں اسے پیسے واپس دے آیا تھا۔ اب وہ مجھ پر جھوٹا دعوا کر رہا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اس کے حالات خراب ہیں۔ اسے اپنے علاج کے لیے پیسے چاہیے۔ سب میری بات کا آسانی سے یقین کر لیں گے۔''

وہ اس انسان کی کمینگی پر حیران رہ گئی۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔ لیکن ابھی اس کے پاس ایک عدد ترپ کا پتا موجود تھا۔

''تمہارے ماں باپ کو یہ معلوم ہے کہ تم نے وہ تین سو ڈالر کہاں خرچ کیے ہیں؟ اگر میں یہ جان سکتی ہوں کہ تمہارے پاس ایک نیلے رنگ کی ڈائری ہے۔ اس کے ایک صفحے پر تم نے قرض کا نوٹ لکھا ہوا تھا تو میں اور بھی بہت کچھ جان سکتی ہوں۔ جیسے کہ تم نے اس وار ڈروب میں سگریٹ کیس چھپایا ہوا ہے۔'' وہ چلتی ہوئی وارڈوب کے پاس گئی اور اسے انگلی سے اسے ٹھوکا۔

''تم روکس ان کلب جاتے ہو۔ جس کے بارے میں یقیناً تمہارے ماں باپ کو کچھ معلوم نہیں ہوگا۔ اس کلب میں جوا بھی کھیلا جاتا ہے' یہ تو ان بے چاروں کے گمان میں بھی نہیں ہوگا۔ میں ان سے یہ کہہ سکتی ہوں کہ تم نے ان پیسوں سے اس کلب کی ممبر شپ حاصل کی ہے۔ وہ وہاں جائیں گے' پوچھیں گے۔ اور جان جائیں گے کہ تمہارے پاس کلب کی ممبر شپ موجود ہے۔ اب اگر وہ ممبر شپ تم نے اپنے پیسوں سے بھی لی ہوگی' تو بھی تمہاری زندگی اس گھر میں بہت مشکل ہو جائے گی۔ تمہاری ماں تو تمہارا گلا ہی دبا دے گی۔ اور ہاں وہ غیر ملکی لڑکی..... اسے تو میں بھول ہی گئی..... یہاں..... وارڈروب کے اس خانے میں تم نے اپنی اور اس کی مشترکہ تصویر کی ایک ٹی شرٹ چھپا کر رکھی ہوئی ہے..... یونیورسٹی شرٹ.....'' وہ وارڈروب کے دوسرے خانے کو انگلی سے ٹھونک کر کہہ رہی تھی۔

اس کا رنگ جتنا پیلا پڑ سکتا تھا وہ پڑ چکا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ جتنا کمینہ نظر آ رہا تھا' اب اتنا ہی ''کم آن تم تو سیریس ہی ہو گئی۔'' نظر آ رہا تھا۔

''مجھے کچھ وقت دو' میں پیسے واپس کر دوں گا۔'' اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

اتنی جلدی کامیابی کی اسے امید نہیں تھی۔ جس وقت وہ اس کے گھر سے باہر نکل رہی تھی' اس وقت وہ زیر لب مسکرا رہی تھی۔ وہ اپنے شانے پر ایک تھپکی دینا چاہتی تھی۔ دراصل..... وہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے وہ تین سو ڈالر کہاں خرچ کیے ہیں۔ یہ تو اس نے بس ایک عدد تکا مارا تھا۔ رہی بات باقی کی باتوں کی' تو جب وہ ٹیولپ پیپر کو دیکھ رہی تھی تو ایک ایک کر کے وہاں کچھ تصویریں بن ابھر رہی تھیں۔ بس وہ ان تصویروں کا مطلب جلدی سے سمجھ گئی تھی۔ اور بروقت ان کا استعمال کر لیا تھا۔

''تو یہ ٹیولپ سچویشن کے حساب سے بھی کام کرتا ہے۔'' وہ آج پہلی بار ٹیولپ کی کارکردگی سے خوش ہوئی تھی۔

''یہ پکڑو اپنے پیسے.....''اس نے ابوبکر کے سامنے پیسے رکھے تو وہ خوش ہونے کی بجائے حیران ہوا۔

''تم نے تو واقعی یہ سب کر دکھایا۔واہ.....''

''جب کسی کو قرض دیتے ہیں تو لکھوا لیتے ہیں اور دو گواہوں کی موجودگی میں دیتے ہیں۔مسلمان ہو تو تھوڑا سا مذہب کا مطالعہ بھی کر لو۔''وہ اسے لیکچر دینے لگی۔

اس نے گہری سانس لی۔''دوست''کسی''نہیں ہوتے۔جب اسے پیسے چاہیے تھے تو وہ میری بہت منتیں کر رہا تھا۔میں یہ پیسے اپنے علاج کے لیے سیو کر رہا تھا'پھر بھی میں نے اسے دے دیے۔حادثے کے بعد میں اس کے پاس گیا کہ شاید وہ مجھے میرے پیسے واپس کر دے لیکن وہ ایسے بن گیا جیسے مجھے جانتا ہی نہیں۔مجھے اس کے رویے پر دکھ ہوا۔''

''اب تم ان پیسوں کا کیا کرو گے.....؟؟''

''تم کیوں پوچھ رہی ہو.....؟''

''کیونکہ عقل اور اخلاق کا تقاضا ہے کہ تم اس میں سے مجھے میری فیس کے پیسے نکال کر دے دو۔''اس نے ڈھیٹ بن کر کہہ ہی دیا۔آپ جانتے ہی ہیں کہ ڈھیٹ ہونا آسان نہیں ہوتا۔انسان کو پوری طرح سے بے شرم ہونا پڑتا ہے۔

''اوہاں.....''وہ مسکرایا اور اسے اس کی فیس دے دی۔''کافی کے ساتھ ایک چھوٹی سی پیسٹری'اور دو مے فیر۔''

اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ انسان پر برا وقت آتا ہے'تو ہر طرف سے آتا ہے۔اگلے دن وہ اسے اپنی دوسری فرینڈ کے گھر لے گیا۔وہ ایک مریل سی لڑکی تھی ٹیلر۔جو ذرا سی ہوا چلنے پر اڑا سکتی تھی۔شاید اسی لیے اس نے کافی سارے سویٹر پہنے ہوئے تھے۔ہوا سے جنگ کرنے'اور جیت جانے کے لیے۔ہر بار یقیناً ہوا ہی جیت جاتی ہوگی۔کیونکہ اس کے چہرے پر زخموں کے کافی نشانات تھے۔جیسے کوئی انسان کھمبوں اور دیواروں سے چڑھ مرا تا رہا ہو۔وہ جیسی چپس کے خالی پیکٹ کی شکل نہیں ہو جاتی۔ویسی۔اسے دیکھ کر بے ساختہ ابوبکر کی طرف دیکھنے کو جی چاہتا تھا کہ.....

''تمہیں اور کوئی نہیں ملا تھا دوست بنانے کے لیے'جو تم نے اسے دوست بنایا.....لو بتاؤ بھلا.....''

وہ تینوں آمنے سامنے بیٹھ گئے تو لڑکی نے پانچویں پر ابوبکر کو''یہاں کیوں آئے ہو''کی سوالیہ نظر سے دیکھا۔ابوبکر کیا بولتا'اسے ہی بولنا پڑا۔

''ابوبکر اپنی کتاب کا مسودہ واپس لینے آیا ہے۔اس کی موٹی سی ڈائری جس پر وہ اپنی تحریر لکھ رہا تھا۔''

''کیسی ڈائری؟کون سی کتاب بھئی؟''وہ کمزور و نا تواں ضرور تھی لیکن اداکاری بہت کمال کی کر رہی تھی۔

''وہ کتاب جو یہ چند سالوں سے لکھ رہا تھا اور تم اس کے کمرے سے چرا لائی تھی۔''

لڑکی کا چہرہ زرد پڑ گیا لیکن وہ مکمل اداکارہ بنی بیٹھی رہی۔''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ابوبکر کی کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے۔پتا

نہیں تم کیا بات کر رہی ہو۔''

''میں وہی بات کر رہی ہوں جو مجھے ابوبکر نے بتائی ہے۔''

''ابوبکر تمہیں کیسے بتا سکتا ہے' یہ تو بول نہیں سکتا۔اس کے ہاتھ بھی کام نہیں کرتے۔''اس نے ہاتھ لہرا لہرا کر ابوبکر کے جسمانی نقائص کی طرف اشارہ کیا۔

''میں آنکھوں کی تحریر پڑھ لیتی ہوں۔''محترمہ علیزہ کو فلمی ڈائیلاگ بولنے کا بہت شوق تھا۔وہ کوئی موقعہ جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔

''آنکھوں کی تحریر.....''لڑکی کو بڑی زور سے ہنسی آئی اور وہ دیر تک ہنستی رہی۔اس کی ہڈیوں کا پنجر چوں چاں' ہلاتا رہا۔

''لگتا ہے تم دونوں کو علاج کی ضرورت ہے۔تم تو پاگل لگتی ہو' اور یہ بے چارہ.....خیر.....چائے پی لی ہے تو اب اٹھ کر چلنے کی کوشش کرو.....وہ سامنے دروازہ ہے' اور اس کے باہر سڑک ہے۔نظر آ رہا ہے یا میں اٹھ کر دکھاؤں؟''

علیزہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔جبکہ ابوبکر چپ بیٹھا علیزہ کو دیکھتا رہا۔دراصل وہ اس کی پرفارمنس سے خوش ہو رہا تھا۔

''اگر میں نے پولیس کو شکایت کر دی تو وہ تمہارے گھر کی تلاشی لیں گے۔پھر کتاب نکل آئی تو.....؟''

''تو کر دو شکایت.....اگر واقعی میں ایسی کوئی کتاب ہے تو ابوبکر یہ دعوا کیسے کر سکتا ہے کہ یہ اسی کی ہے۔اگر میں دھوکے باز ہوں تو اب تک میں نے کتاب کو کمپوز کر لیا ہو گا۔اس کے ہاتھ سے لکھے مسودے کو ضائع کر دیا ہو گا۔پھر کیسے ثابت کرو گے؟؟''

گردن موڑ کر اس نے ابوبکر کی طرف دیکھا۔ابوبکر کے شانے اچکا دیئے کہ تم ہی اس کی چرب زبانی سے نپٹو۔یہ محاذ اب تمہارا ہے۔جنگ جیت جاؤ یا شہید ہو جائے۔

''کچھ خدا کا خوف ہی کر لو.....''اس نے چڑ کر کہا اور ابوبکر کو ساتھ لے کر اس کے چڑیا گھر سے باہر آ گئی۔

''وہ کتاب تمہاری ہے؟''دونوں فٹ پاتھ پر چل رہے تھے۔

''ہاں.....میں اپنی بیماری اور محسوسات پر لکھ رہا تھا۔یہ بات ٹیلر جانتی تھی۔اسے وہ کتاب بہت پسند تھی۔وہ بار بار مجھ سے کہتی رہتی تھی کہ یہ کتاب بہت کامیاب ہو گی۔میں جلد ہی بہت امیر ہو جاؤں گا۔''

''تو حادثے سے پہلے چھپوا لیتے۔اب تک امیر ہو چکے ہوتے' میری جان بھی چھوٹتی۔''اس نے چڑ کر کہا

''میں کتاب لکھ رہا تھا نوڈلز نہیں بنا رہا تھا جو دس منٹ میں تیار ہو جاتے۔''اس نے بھی چڑ کر ہی کہا۔

''چھوڑو پھر.....اسے ہی چھپوا لینے دو.....تم یہ سمجھ لو کہ تم نے کبھی کچھ لکھا ہی نہیں۔''اس نے لاپرواہی سے کہا۔

''تم اتنی جلدی ہمت ہار جاتی ہو.....تم زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔''

''مجھ پر طنز نہ کرو۔سمجھے۔ابھی تمہیں تمہارے پیسے واپس لے کر دیے ہیں میں نے.....''

''تو بس ٹھیک ہے.....یہ کتاب بھی لے دو.....اس میں میرے بچپن کی یادداشتیں بھی ہیں۔ویسے بھی وہ ادھوری ہے' اگر مکمل ہوتی تو ٹیلر اب تک اسے چھپوا چکی ہوتی۔اب یہ سب تمہاری ذمہ داری ہے۔بس.....''

''تم بس پکڑو اور اپنے گھر جاؤ۔نوڈلز کھاؤ اور ٹی وی دیکھو۔مجھے کیا سمجھا ہوا ہے تم نے.....جواب دو؟''

''قاتل.....تم نے ایک لڑکی کو خودکشی پر مجبور کر دیا تھا.....''

''کتنے ظالم ہو تم۔مجھ پر طنز کر رہے ہو۔''انگلی کو تلوار کی طرح لہرا کر وہ غصے سے چلائی۔

''کتنی سست ہو تم'ایک انسان کی مدد نہیں کر سکتی۔''وہ پرسکون کھڑا رہا۔

''مدد کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔تم چاہتے ہو میں رات گئے اس کے گھر چھپ کر جاؤں اور تمہاری کتاب کا مسودہ چرا لاؤں؟''

''ہاں.....کیوں نہیں.....تم چور بن سکتی ہو۔اچھے کام کے لیے چوری کرنا برا نہیں ہوتا۔''

''اچھائی کے سارے فلسفے اب تمہیں یاد آنے لگے ہیں۔تمہاری کتاب تمہیں مل جائے گی تو مجھے کیا فائدہ ہوگا؟''

''تمہیں دعائیں دوں گا۔یہ فائدہ کیا کم ہے؟''

وہ خاموشی سے اس سے دو قدم آگے چلتی رہی۔

''ایک بہت بڑے ڈاکٹر سے میری بات چیت چل رہی ہے۔وہ میری سرجری کرنے کے لیے تیار ہیں۔لیکن ظاہر ہے مجھے اس کے لیے بہت پیسے چاہییں ہوں گے۔میری ماں ایک معمولی سی جاب کرتی ہے'اور میں کوئی جاب نہیں کر سکتا۔میں حکومتی فنڈ کے انتظار میں ساری زندگی نہیں بیٹھ سکتا۔میں بولنے لگوں گا تو میری زندگی بدل جائے گی۔''

ٹیولپ اس کے سامنے کھلا ہوا تھا'وہ اس کی بات پڑھ رہی تھی۔چلتے چلتے وہ رک گئی۔اور پلٹ کر اس کے پاس آئی۔

''تم واقعی میں بولنے لگو گے؟؟''

''میری ماں کو یقین ہے کہ ایک دن ایسا ضرور ہوگا۔دیکھو وہ کتاب بہت قیمتی ہے۔وہ ایک گونگے انسان کی کہانی ہے۔اس میں میری یادیں'میرے جذبات ہیں۔وہ میری ڈائری ہے۔''

''اب وہ ڈائری کسی اور کو پیاری ہو چکی ہے اور میری مانو تو اسے اس مریل سی لڑکی کے پاس رہنے دو۔اس سال بہت ریکارڈ توڑ سردی پڑنے والی ہے۔وہ لڑکی درجہ حرارت گرتے ہی'اوپر اٹھ جائے گی۔تم فکر نہ کرو۔پھر آرام سے وہ ڈائری تمہیں واپس مل جائے گی۔''اس نے مسکرا کر اس کا شانہ تھپتپایا۔تو وہ آنکھیں ترچھی کر کے اپنے شانے کو دیکھنے لگا۔پھر وہ زیر لب مسکرا دیا۔زندگی میں ساری قیمتی چیزیں صرف پیسوں سے ہی حاصل نہیں کی جا سکتیں۔ایک عدد''دوستانہ تھپکی''بھی بہت قیمتی ہوتی ہے۔

''ٹھیک ہے میں فکر نہیں کرتا۔لیکن تم فکر کرنا نہ چھوڑنا۔تمہیں ہر حال میں اسے واپس لینا ہے۔''ٹیولپ نے مسکراتے ہوئے اس تک ابوبکر کا پیغام پہنچایا تو اس نے پیر پٹخ دیے۔

ڈائری کتنی بھی قیمتی تھی'اسے واپس نہیں ملنی تھی۔اس نے ایک اور بار جا کر اس لڑکی کی منت کی تھی کہ وہ ایک بے بس انسان کی چیز پر قبضہ کر کے اپنی خواہشات پوری نہ کرے۔اس کی زندگی تو ویسے ہی مشکل ہے'اسے اور مشکل نہ بنائے۔اس کی واحد چیز''کتاب''کو اسے

واپس لوٹا دے لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی۔

''بائی داوے! تمہیں اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟'' اپنے بالوں میں برش کرتے اور ان میں پنیں ٹھونکتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''یہ تم نہیں سمجھو گی..... جو لوگ دوسروں کی چیزیں غصب کر چکے ہوں وہ اور کچھ نہیں سمجھ سکتے۔''

''تم ہمیشہ ایسی فلسفیانہ باتیں کرتی ہو یا میری شکل دیکھ کر ابھی ابھی یہ فلسفہ گھڑا ہے؟''

''تمہاری شکل دیکھ کر تو صرف دانت ہی رگڑ سکتی ہوں، وہ بھی آپس میں۔ دیکھو میں پھر کہہ رہی ہوں کتاب واپس کر دو۔ اللہ تمہارا بھلا کرے گا یار!'' وہ روہانسی ہو گئی۔ کیونکہ ٹیولپ بھی کوئی مدد نہیں کر رہا تھا۔

''میں بھی پھر کہہ رہی ہوں کہ بار بار یہاں آنا بند کرو۔ سمجھیں۔''

وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ مریل نہیں سمجھے گی۔ گھی سیدھی کیا ٹیڑھی انگلیوں سے بھی نہیں نکلے گا۔ لاتیں گھونسے مار کر، غنڈی گردی دکھا کر بھی نہیں۔

''ٹھیک ہے پھر ہم ایک معاہدہ کر لیتے ہیں۔ تم کتاب واپس کر دو۔ اگر کتاب کامیاب ہو گئی تو اس کے فائدے کا پچاس پرسنٹ شیئر ملے گا..... بولو منظور ہے.....''

''نامنظور ہے۔ جب میں پورا سو فیصد لے سکتی ہوں تو پچاس پرسنٹ کیوں لوں؟'' اس کی زبان سے پھسل گیا تھا۔

''تو کتاب تمہارے ہی پاس ہے.....؟'' وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی اور ہاتھ سینے پر باندھ کر اسے گھورنے لگی تھی۔

'ہاں.....'' اس نے تمسخر سے ہنس کر کہا اور ہاتھ کو اس کے سینے پر رکھ کر اسے دھکا دیا۔ ''ناؤ گیٹ لاسٹ۔''

دھکا لگنے سے وہ لڑھکڑا کر دو قدم پیچھے ہوئی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ انسان کتنا ظالم اور بے رحم ہے۔ ایک معذور انسان کی کل متاع پر قبضہ کر کے اسے اپنا بناتے ہوئے، وہ لڑکی کتنی خوش اور مطمئن تھی۔

''تم جانتی ہو کہ ابوبکر کی زندگی کتنی مشکل ہو چکی ہے؟''

''زندگی کسی کی بھی آسان نہیں ہوتی۔'' اس نے رکھائی سے کہا

وہ اس کی بلڈنگ سے باہر نکلی تو بہت بدمزہ ہو چکی تھی۔ اس کا دل برا ہو چکا تھا۔ یہ سارا معاملہ اس کے لیے پہلے سنجیدہ نہیں تھا، لیکن اب ہو چکا تھا۔ اس نے ٹھان لیا تھا کہ وہ اس سے ابوبکر کی کتاب لے کر ہی رہے گی۔ ٹیولپ کو بار بار دیکھنے پر بھی کچھ حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ابوبکر سے ملنے گئی تو اسے بھی کوئی تسلی نہیں دے سکی۔

''تم اب تک کیسے صبر کر کے بیٹھے ہوئے تھے؟'' وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

اس نے ایک سرد سانس اندر کھینچی۔ ''مجھ جیسے لوگ، پیدا ہوتے ہی صبر کرنا سیکھ جاتے ہیں۔ قدم قدم پر ہمارے ساتھ ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ ہم ان کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اس دنیا میں اچھے برے سب لوگ ہیں لیکن برے لوگ زیادہ ہیں اور وہ ہمیں بار بار ملتے

ہیں۔ دھوکا دیتے ہیں' تکلیف دیتے ہیں۔ سچ کہوں تو میں پہلے بہت خوش امید تھا' کہ آہستہ آہستہ میرا ہاتھ کام کرنے لگے گا اور میں ایک ہاتھ سے کافی کچھ کرلوں گا۔ میں اپنی کوشش کے بل بوتے پر معجزے کے انتظار میں تھا۔ میری ڈگری مکمل ہونے والی تھی جب یہ حادثہ ہوا تھا۔ میں دماغی طور پر ڈسٹرب ہوگیا تھا۔ میرے پاس سب کچھ نامکمل ہے۔ ایک نامکمل خاندان' ایک نامکمل جسم اور نامکمل ڈگری۔ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ ایک موبائل ایپ پر کام کر رہا تھا' جو گونگے بہرے لوگوں کے لیے بہت مددگار ثابت ہوسکتی تھی۔''

''کیا واقعی؟ تو کیا بنا اس ایپ کا؟'' اس نے بہت جوش سے پوچھا۔

''تین ہفتے پہلے میرا دوست وہ موبائل ایپ لاونچ کر چکا ہے۔ اسے بہت اچھا رسپانس ملا ہے۔ ایپ کو بہت پسند کیا جا رہا ہے۔ ایک بڑی کمپنی اس سے معاہدہ کر چکی ہے۔ اسے حکومتی گرانٹ بھی مل چکی ہے۔ نیوز پیپرز میں اس کے انٹرویو آ رہے ہیں۔ وہ تو ترقی پر ترقی کرتا جا رہا ہے۔''

''اور تم؟'' اس نے افسوس سے ایک گہرا سانس کھینچا۔

''ایپ کا آئیڈیا میرا تھا۔ اس ایپ پر میں نے اس کے ساتھ کام کیا تھا۔ آج صبح میں نے اسے ایک ٹی وی شو میں دیکھا تو وہ کہہ رہا تھا کہ اس کی ایک میڈ گونگی بہری تھی' جسے دیکھ کر اسے یہ ایپ بنانے کا خیال آیا تھا۔''

وہ حیران اسے دیکھ رہی تھی۔ ''مجھے ایڈریس دو اس فرینڈ کا۔ ایک عدد منہ توڑ مکا اس کا حق بنتا ہے۔''

''مجھ جیسے لوگ صبر کرنا سیکھ جاتے ہیں۔ کیونکہ ہم جان جاتے ہیں کہ ہمیں اپنی معذوری ہی نہیں'' لوگوں کی ذہنی معذوری اور لالچ کو بھی جھیلنا ہے۔ ہم ہنس کر ''لیٹ اٹ گو'' کرتے ہیں۔ اپنی یادداشت کمزور کر لیتے ہیں تاکہ نارمل لوگوں کے ابنارمل رویے کو بھول سکیں۔ ہمیں معاف کرنا آتا ہے۔ ہم دوستی کرتے ہیں تو پیٹھ پر وار نہیں کرتے۔''

''تم مایوس ہو چکے تھے اور خودکشی کرنے لگے تھے۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

وہ ہنس دیا۔ ''ماما کو پتا نہیں کیوں ایسا لگتا ہے کہ میں یہ سب کرنے لگا تھا۔ وہ ہر وقت ایسی کتابیں پڑھتی رہتی ہیں جو انہیں مجھ جیسے انسان کی نفسیات کو سمجھنے میں مدد دے سکے۔ یا پھر ایسی فلمیں اور ڈاکومنٹریاں دیکھتی رہتی ہیں۔ کہیں کسی فلم میں مجھ جیسے انسان نے خودکشی کر لی تھی۔ بس تب سے انہیں لگنے لگا ہے کہ کسی دن میں بھی پانی کے پول میں کود کر خود کو ختم کرلوں گا۔''

''تو تم اپنی اس موجودہ حالت سے خوش ہو؟''

''میں خوش نہیں ہوں' میں مایوس بھی نہیں ہوں اور ایسا پرامید بھی نہیں ہوں۔ میں ایک عام انسان ہوں۔ کمزور ہوں۔ ناتواں ہوں۔ تکلیف میں ہوتا ہوں تو کراہتا ہوں۔ خوش ہوتا ہوں تو مسکراتا ہوں۔ میں پہاڑ یا چٹان نہیں ہوں۔ میں ہمیشہ مضبوط نہیں رہ سکتا۔ میں بھی ٹوٹ جاتا ہوں۔ لیکن پھر خود کو جوڑ لیتا ہوں۔ میں بھی ہر طرح کے جذبے سے گزرتا ہوں۔ میرے بھی خواب ہیں اور میں ان خوابوں کی تعبیر حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ اس سے پہلی بار متاثر ہوئی تھی۔ آج اسے معلوم ہوا تھا کہ ''مشکل زندگی'' کسے کہتے ہیں۔ آج اس نے جانا تھا پیسوں کی کمی

غربت نہیں ہوتی۔ اچھی خوبیوں کی کمی ''غربت'' کہلاتی ہے۔ اصل بدصورتی جسم کی نہیں روح کی ہوتی ہے۔ کھانے کے لیے اچھا کھانا نہ ملنا' پہننے کے لیے اچھے کپڑے نہ خرید سکنا' اور رہنے کے لیے مناسب چھت کا میسر نہ ہونا' مشکل حالات نہیں ہوتے۔ زیادتی پر چلا نہ سکنا' زیادتی کرنے والوں کی طرف انگلی نہ اٹھا سکنا ''مشکل حالات'' ہوتے ہیں۔

''ویسے میرے آنے سے تمہاری زندگی میں کافی تبدیلیاں آئی ہیں نا۔'' اس نے شوخی سے پوچھا۔ وہ اسے ہنسانا چاہتی تھی۔

''ہاں..... بہت.....'' وہ دیر تک ہنستا رہا۔

''مذاق اڑا رہے ہو میرا؟''

وہ اور زیادہ ہنسنے لگا۔ پہلے اس کا دل چاہا کہ منہ پھلا کر چلی جائے۔ اسے اس کی ہنسی بری لگ رہی تھی۔ لیکن پھر وہ اسے چپ چاپ دیکھتی رہی۔ وہ ہنس ہی تو رہا تھا..... اس پر ہی سہی۔ چلو اسے ہنسنے دیا جائے..... خوش ہونے دیا جائے..... جس انسان کی ہنسی اس جیسے کتنے ہی لوگوں نے چھین لی تھی' اسے چہکنے دیا جائے۔ کچھ دیر کے لیے اسے یہ بھول جانے دیا جائے کہ وہ ابنارمل ہے۔ معذور ہے۔ اسے بھول جانے دیا جائے کہ یہ دنیا تو ایک اچھی جگہ ہے لیکن برائی سے بھری پڑی ہے۔

ٹیولپ نے فی الحال اس کی کوئی مدد نہیں کی تھی۔ وہ ہر دس پندرہ منٹ بعد اسے دیکھ لیتی تھی۔ عاجز آ کر اس نے اس پر لکھا دیا۔

''مجھے وہ کتاب حاصل کرنی ہے' میری مدد کرو ٹیولپ یار!''

ٹیولپ یار نے یاری نبھائی اور کچھ نمبرز اور حروف لکھ دیئے۔ وہ ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہے۔ اٹھ کر وہ اپنے لیے کھانا گرم کرنے لگی اور جب اس نے میکرو کے بٹن کو پش کیا تو اسے جھٹکا سا لگا اور اس نے جوش سے بلند آواز سے کہا۔

''اوہ اچھا! یہ پاس ورڈ ہے..... پر کس چیز کا؟''

بدقسمتی سے ٹیولپ بول نہیں سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے وہ ایسی بھی کوئی بے وقوف نہیں تھی۔ کھانا کھا کر وہ اپنا بیگ اٹھا کر اس ٹیلر کے چڑیا گھر آ گئی۔ وہ بیل دینے ہی والی تھی کہ اس کی نظر الیکٹرک لاک پر نظر پڑی۔ وہ چونک گئی۔ تو یہ پاس ورڈ دروازے کا لاک کھولنے کے لیے تھا۔ یعنی ٹیولپ چاہتا تھا کہ وہ گھر کے اندر گھس جائے۔ آگے کی نشاندہی بھی ٹیولپ ہی کر دے گا۔

''دیکھو پھنسوا نہ دینا۔'' اس نے ٹیولپ کو تھپک کر کہا۔

''دیکھو پھنس نہ جانا۔ اب ساری ذمہ داری میری تھوڑی ہے۔ کچھ تم بھی عقل کا استعمال کرو۔'' ٹیولپ نے کہا۔

وہ واپس آ گئی اور اگلے دن اس وقت اس کے گھر گئی جب ٹیلر یونیورسٹی کے لیے جا چکی تھی۔ پاس ورڈ لگایا تو لاک کھل گیا۔ اندر جا کر اس نے جلدی سے چیزوں کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ کافی کچھ اس نے کھنگال لیا تھا لیکن اسے کچھ نہیں ملا۔ اس نے بیڈ کا میٹرس' چینی' کافی کی شیشیوں' لانڈری مشین' حتی کہ اس کے بدبودار جوتوں تک میں جھانک لیا لیکن اسے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اسے ٹیولپ پر غصہ آ رہا تھا کہ اگر آگے رہنمائی نہیں کرنی تھی تو اسے اس گھر میں گھسایا ہی کیوں۔ وہ پھر سے چیزوں کی تلاشی لینے لگی۔ ایک دراز میں جرابوں کے ڈھیر

کے نیچے دبا ہوا ایک چھوٹا سا لکڑی کا باکس پڑا ہوا ملا۔ اس نے بڑی خوشی سے اسے باہر نکالا۔ اس پر چھوٹا سا تالا لگا ہوا تھا۔

''اس کی چابی کہاں ہو سکتی ہے.....'' وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''چابی میرے پاس ہے۔''

اسے اپنے پیچھے آواز سنائی دی تو خوف سے باکس اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ جسے اس وقت یونیورسٹی میں ہونا چاہیے تھا' وہ اس وقت اس کے پیچھے کھڑی اسے گھور رہی تھی۔ پھر وہ آگے بڑھی اور اس کے ہاتھ سے باکس چھین لیا۔ پھر وہ پولیس کو فون کرنے لگی تو اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے فون چھین لیا۔

''پولیس سے کیا کہو گی؟'' وہ ڈر تو گئی تھی لیکن اتنی جلدی ہار بھی نہیں ماننا چاہتی تھی۔

''تم میرے گھر میں چوری کرنے آئی ہو۔ تم نے میرا پاس ورڈ تک توڑ دیا۔ پولیس کو فون نہ کروں تو تمہاری مہمان نوازی کے لیے پیزا ڈیلیوری والوں کو فون کروں؟'' وہ اتنے غصے میں تھی کہ اس کے چہرے کی کھال کھینچ کر رہ گئی تھی۔

''لیکن تم یہ کیسے ثابت کرو گی کہ میں پاس ورڈ توڑ کر اندر آئی ہوں۔ کیونکہ میں نے پاس ورڈ تو ڑا نہیں کھولا ہے۔ کوریڈور میں سی سی ٹی وی کیمرہ نہیں لگا ہوا۔ اور اس وقت تم بھی یہاں موجود ہو۔ میں کہہ سکتی ہوں کہ میں تمہارے ساتھ اندر آئی ہوں اور تم مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہی ہو۔''

''ہونہہ..... وہ بھی دیکھ لیں گے۔''

''اچھا چلو میں مان جاؤں گی کہ میں چوری کرنے آئی ہوں' تو میں کہہ دوں گی کہ میں اپنی بک لینے آئی ہوں۔''

''وہ مان جائیں گے کہ تمہاری بک میرے ہی پاس ہے۔''

''وہ نہیں مانیں گے تو عدالت مانے گی۔ وہ ابوبکر کو دیکھے گی۔ اس کی کتاب کو پڑھے گی' اور یہ جان جائے گی کہ ایک گونگا انسان ہی ایسی کتاب لکھ سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں بہت سی ذاتی باتیں بھی لکھی ہوئی ہیں۔ جیسے ایک یادگار عید کا احوال۔ ماں کی سالگرہ کے دن کی بابت۔ اسکول ٹیچر کی باتیں۔ ایگزمز کے گریڈز۔ تم کس کس بات کو غلط ثابت کرو گی۔ ایک اور بات' تم نے کتاب کی کوئی کاپی نہیں کی۔ ابوبکر کا کہنا ہے کہ تم تو اتنی سست ہو کہ اپنی آسائنمنٹ پر کام نہیں کر سکتی تھی' تم اس کتاب کی کاپی کیسے کر سکتی تھی۔ تم نے اسے اسکین بھی نہیں کیا۔ اگر کیا ہوتا تو مجھے دکھائی دے جاتا۔ تمہارے پاس ایک ہی کاپی ہے' اور وہ اس وقت' اس گھر میں موجود نہیں ہے۔ اس گھر میں کچھ ایسی چیزیں موجود ہیں جو تمہاری نہیں ہیں۔''

ٹیولپ نے پھر سے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک ایک کر کے فلم سی چلا رہا تھا۔ جیسے سی سی ٹی وی فوٹیج چلاتا ہے اور سب معلوم ہو جاتا ہے۔ اسے بات کو سمجھنے میں چند سیکنڈز لگے تھے۔

''ابوبکر کی کتاب کی طرح' تم نے کچھ اور فرینڈز کی چیزیں بھی چرائی ہیں۔ جیسے کہ.....'' وہ چلتے ہوئے اس کے قریب آئی اور اس کی کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک آئی فون نکال لیا۔ ''جیسے کہ یہ..... جو تم ابھی چرا کر لا رہی ہو.....''

''یہ میرا ہے.....''

''جو تمہارا ہے' وہ تمہارے کوٹ کی دوسری جیب میں پڑا ہے۔ یہ باکس جو تم نے چھپا کر رکھا تھا' اس میں ایک قیمتی گھڑی' اور کچھ جیولری ہے..... ہاں پولیس آئے گی تو میں ایک ایک کر کے ان سب چیزوں کی طرف اشارہ کروں گی' جو یہاں موجود ہیں' لیکن تمہاری نہیں ہیں۔ ہاں لیکن تمہاری چرائی ہوئی ضرور ہیں۔'' اس نے ایڑی کے بل گھوم کر' ہاتھ لہرا کر اس چڑیا گھر کی کچھ چیزوں کی طرف اشارہ کیا۔

''اور ان کے بارے میں بھی بتاؤں گی جنہیں تم بیچ کر ہڑپ کر چکی ہو۔ پھر جانتی ہو تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟''

اس کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ اس نے سختی سے لب بھینچ لیے اور پھر وہ ایکدم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے حیرت ہوئی۔ وہ اس کے رونے کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ وہ اس کے دھکوں اور گالیوں کی امید کر رہی تھی۔

علیزہ پہلے تو چپ چاپ کھڑی رہی۔ پھر وہ اس کے فریج تک گئی اور ایک سیب نکال کر کھانے لگی۔ وہ اس پر ترس نہیں کھانا چاہتی تھی اس لیے ''سیب'' کھانے لگی تھی۔

''دراصل مجھے چھوٹی موٹی چوریاں کرنے کی عادت ہے۔'' جب اس کے رونے کا سیشن مکمل ہو گیا تو دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر بات کرنے لگیں۔

''چوری چھوٹی موٹی کیسے ہوتی ہے' وہ تو بس چوری نہیں ہوتی؟'' اس نے اس چور کو ٹیولپ کے ہاتھوں پکڑ لیا تھا تو انعام کے طور پر وہ کچن سے کاجو اور بادام کی پلیٹ بھر کر لے آئی تھی اور مزے سے کھا رہی تھی۔ ٹیلر اسے روکنے کی جرات نہیں کر سکتی تھی۔

''مجھے جہاں تھوڑی بہت کام کی چیز نظر آتی ہے' وہ میں اٹھا لیتی ہوں۔''

''یہ عادت ہے یا لعنت.....؟'' اس نے جل کر پوچھا۔ وہ اپنے چور ہونے کے بارے میں کتنے آرام سے بتا رہی تھی۔

''میں ایک گھر میں تہہ خانے میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہتی تھی۔ کرایہ کم تھا اس لیے میں وہاں رہنے لگی تھی۔ تہہ خانے کے کونے میں لینڈ لیڈی کا کچھ بے کار سامان رکھا ہوا تھا۔ جب وہ مجھے جگہ دکھا رہی تھی تو اس نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ اگر میں اس سامان کی موجودگی میں رہ سکتی ہوں تو ٹھیک ہے' ورنہ وہ مجھے رہنے کے لیے جگہ نہیں دے سکتی۔ میں نے فوراً ہاں میں سر ہلا دیا۔ اکثر جب کبھی مجھے تھوڑے بہت پیسوں کی ضرورت ہوتی تھی تو میں کچھ سامان نکال کر بیچ دیتی تھی۔ وہ کافی موٹی تھی تو کم ہی نیچے آتی تھی۔ اسے سانس کا مسئلہ بھی تھا۔''

''اور تمہیں ہاتھ کی صفائی کا مسئلہ تھا.....''

''لیکن ایک دن میرا راز کھلا گیا۔'' وہ پھر سے سوں سوں کرنے لگی تھی۔

''بھانڈا پھوٹ گیا..... ایسے بولو.....'' اس نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

''میں یونیورسٹی میں تھی' وہ نیچے آ گئی۔ وہ اپنے باپ کی نشانی ہاتھی کی کھال کا لیمپ ڈھونڈ رہی تھی۔ جسے پچھلے ہفتے ہی میں نے بیچ دیا تھا۔ جب وہ اسے وہاں نہیں ملا تو اس نے ادھر ادھر اور چیزوں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ بالآخر اسے اپنی ایک ایک چیز کی گمشدگی کے بارے میں معلوم ہو گیا۔''

''ایک ایک چیز کی چوری کے بارے میں.....''اس نے اس کی تصحیح کی۔

''ہاں چور اور چوری دونوں کا.....اس نے اسی وقت مجھے دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیا۔اس نے میرا سارا سامان ضبط کر لیا۔ میرے اسی سامان میں ابوبکر کی کتاب تھی۔تم دونوں جس دن میرے گھر آئے تھے'میں ایک بار پھر اس کے گھر گئی تھی۔اس کی منت کی تھی کہ میرا سامان مجھے واپس کر دے۔جواباً اس نے کہا کہ میں پہلے اسے اس کا سامان واپس کروں۔اس کا سامان تو میں بیچ کر کھا گئی ہوں۔وہ کہاں سے واپس کروں اب۔اس کے باپ کی نشانی ہاتھی کی کھال کا لیمپ اور دادی کی شادی کا یادگار شادی کا لباس۔''

''تم نے اس کی دادی کا شادی کا ڈریس بھی پار کر دیا؟''

''ہاں.....وہ بہت اچھی قیمت پر بکا تھا۔دکاندار کا کہنا تھا کہ اس کپڑے کے بہت اچھے کشن بن جائیں گے۔آج کل تو ایسا کپڑا ملتا بھی نہیں۔''پتا نہیں اسے اپنی کارکردگی پر خوشی تھی یا اپنی قابلیت پر۔وہ ہنس بھی رہی تھی۔ڈھیٹ بننے کے لیے بس بے شرم ہی تو بننا پڑتا ہے۔

''کشن.....اس بے چاری کی دادی کے ڈریس کو تم کشن بننے کے لیے دے آئیں۔تمہیں تو ڈوب مرنا چاہیے۔دادی کی روح کتنی بے چین ہوئی ہوگی۔''

''وہ تو دادی کی روح ہوئی ہوگی'تمہاری روح کو اتنی بے چینی کس بات کی ہے۔''دادی کی روح کو بیچ کھانے والی نے اسے گھور کر دیکھا۔''اب وہ کتاب اس لینڈ لیڈی کے پاس ہے۔تمہیں وہ کتاب چاہیے تو تم اس کے پاس جاؤ۔کیونکہ میں اب کچھ نہیں کر سکتی۔''

سب کچھ کر کے وہ کہہ رہی تھی کہ وہ کچھ نہیں کر سکتی۔وہ مر تو سکتی تھی نا۔ایسے زندہ رہ کر'سب کو زندہ در گور کیوں کر رہی تھی۔

''تمہیں میرے گھر کے لاک کا پاس ورڈ کیسے معلوم ہوا؟''

اپنی چورانہ ہسٹری بتانے کے بعد وہ کافی ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔صوفہ پر پیر پھیلا کر پھسر گئی تھی۔علیزہ زیر لب ہنس دی۔جیسے وہ کوئی بہت ہی اونچی چیز ہو۔شرلاک ہومز یا عینک والا جن۔ورنہ کرنانی چڑیل۔

''میرے پاس جادو ہے.....''

''اچھا کہاں ہے.....؟''

''کیوں اسے بھی چرانا ہے.....اپنی عادتیں ٹھیک کرو'ورنہ جیل میں سڑ کر مر جاؤ گی۔چوہے تمہاری لاش کھائیں گے۔مچھر تمہاری بوٹیاں نوچیں گے۔کاکروچ تمہارے ناک میں گھسیں گے۔مکھیاں تمہارے منہ پر بھنبھنائیں گی.....سمجھیں.....؟''

وہ سمجھ چکی تھی'اسی لیے اسے دھکے دے کر گھر سے باہر نکال رہی تھی۔

زندگی میں کچھ بھی حاصل کر لینا آسان نہیں ہوتا۔جو چیز اس مریل کے پاس تھی'اب وہ کہیں اور جا چکی تھی۔سڑک پر چلتے چلتے وہ رک گئی۔

''کیا یہ ضروری ہے کہ میں اس سارے مسئلے میں پھنسوں۔''اس نے خود سے کہا۔وہ پریشان ہو چکی تھی

''نہیں یہ ضروری نہیں ہے۔لیکن انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔''ٹیولپ نے اس سے کہا۔

''کیا ساری انسانیت میرے اندر ہی چوکڑی مار کر بیٹھ گئی ہے؟باقی لوگوں نے اپنے دل کے فرش' بے رحمی کے پٹرول سے دھلوا لیے ہیں۔''

اس بار ٹیولپ خاموش رہا۔لیکن چلتے چلتے وہ گر گئی.....کیسے؟اس کے تسمے کھل چکے تھے'اور وہ اس کے اپنے ہی پیروں تلے آ گئے تھے۔اسے جھٹکا لگا اور وہ منہ کے بل گری۔ناک میں سے خون نکلنے لگا تھا۔ہاتھ بڑھا کر ایک بوڑھی عورت نے اسے اٹھایا اور اپنے پاوچ میں سے گلابی رومال نکال کر اس کا خون صاف کرنے لگیں۔

''تم کیلی انسانیت کی ٹھیکیدار نہیں بچی تھی۔''ٹیولپ نے طنزیہ کہا۔

''بیٹا!دھیان سے چلتے ہیں اور اس آکسیجن کے آلے'دل کی دھڑکن کو تھوڑی دیر کے لیے جیب میں رکھ لیتے ہیں۔''گلابی رومال دینے والی نے کہا۔

آکسیجن کے آلے'دل کی دھڑکن'فون کو جیب میں رکھ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ابوبکر کے پاس پہنچی۔

''دیکھو وہ کتاب اس کی لینڈ لیڈی کے پاس ہے'جس کا سامان ٹیلر چوری کر کے بیچ کر کھا چکی ہے۔اب باقی کا کام تم کرو۔اس کے پاس جاؤ اور اس کی منت کرو کہ وہ ٹیلر کے سامان میں سے تمہاری کتاب نکال کر تمہیں دے دے۔''

''میں منت کس منہ سے کروں گا؟میرے منہ میں تو زبان ہی نہیں ہے۔''اس نے بڑی معصومیت سے کہا۔

''اف.....میں تو بھول ہی گئی تھی۔''اس نے سر کھجایا۔

''تم نے اتنی معلومات بھی حاصل کر لی ہیں یہ بھی بہت ہے۔''ابوبکر نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

''مکھن نہ لگاؤ۔بہتر ہے کہ تم مجھے کچھ رشوت لگا دو۔''اس نے جل کر کہا تو ابوبکر قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

اگلے دن وہ اس لینڈ لیڈی سے ملنے کے لیے چلی گئی۔اس کے گھر کے باہر ایک چھوٹا سا نوٹ چپکا ہوا تھا کہ کرایہ کے لیے کمرہ دستیاب ہے۔اس نے وہ نوٹ پڑھا اور اندر چلی گئی۔اس کا خیال تھا کہ منت سماجت سے کام بننے والا نہیں ہے'کرایہ دار بن کر ہی کوئی کام دکھانا ہوگا۔

''تم نے شاید وہ نوٹ غور سے نہیں پڑھا۔میں نے لکھا ہے کہ کرایہ کے لیے کمرہ خالی ہے۔''صرف لڑکوں کے لیے۔''وہ بے زاری سے بولیں۔اس سے پہلے وہ گہری نظر سے اس کا جائزہ لے چکی تھیں۔

''اوہ اچھا!میں پوری کوشش کروں گی کہ کسی لڑکے سے کم نہ رہو۔میرا مطلب'میں اپنا رویہ مردانہ رکھوں گی.....''

وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔''مردانہ رویہ؟تم زنانی ہو کر مردانہ رویہ کیسے رکھ سکتی ہو؟''

''اوہ.....میرا مطلب کہ آپ اس لیے لڑکے کو کرایہ دار رکھنا چاہتی ہیں نا کہ وہ آپ کے اسٹور کی چیزیں نہ بیچے؟''

اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ ''کیا کہا تم نے..... چیزیں..... تمہیں کیسے پتا کہ میرے گھر کی چیزیں.....''

اس نے اپنی زبان کاٹی۔ ''وہ دراصل میں..... وہ..... وہ میں پہلے بھی تین چار گھر دیکھ چکی ہوں۔ ایک لینڈ لیڈی بتا رہی تھیں کہ یونیورسٹی کی لڑکیاں بہت تنگ کرتی ہیں۔ میک اپ چرا لیتی ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں اٹھا لیتی ہیں۔ ایک لڑکی اس کی دادی کا شال..... اس کی دادی کی شال اٹھا کر لے گئی۔ تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ لڑکیاں یہ سب کرتی ہیں اور اس لیے انہیں کوئی نہیں رکھنا چاہتا۔''

''اچھا..... باقی سب کے ساتھ بھی لڑکیاں یہی کرتی ہیں۔'' اس کے زخموں پر شاید تھوڑا سا مرہم لگ گیا تھا۔

''لیکن میں ایسی نہیں ہوں۔ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ ان فیکٹ میں آپ کی گھر کے کاموں میں مدد بھی کر دیا کروں گی۔''

''اور پھر گھر کا صفایا بھی کر دیا کروں گی۔'' لینڈ لیڈی نے جل بھن کر کہا۔

اس کا منہ بن گیا۔ ''ہر انسان ایک جیسا نہیں ہوتا میڈم!''

''ہر انسان کے منہ پر بھی نہیں لکھا ہوتا کہ وہ چور اچکا نہیں ہے۔''

''آپ میری بے عزتی کر رہی ہیں..... بے شک تھوڑی سی اور کر لیں، لیکن مجھے رہنے کے لیے جگہ دے دیں۔ میرے ایگزمز شروع ہونے والے ہیں، اور برف باری بھی۔ تو مجھے تو تہہ خانے میں بہت سکون ملے گا۔ مجھے تہہ خانوں میں رہنے کی بہت اچھی پریکٹس ہے۔ میں پورے پندرہ سال رہی ہوں۔''

''تمہیں کیسے پتا کہ میرے گھر میں ایک تہہ خانہ ہے، اور میں وہی کرائے پر دینے والی ہوں؟''

''وہ ہر گھر میں تہہ خانہ ہوتا ہے نا.....'' اس کے حلق میں پھندا پڑا۔

''نہیں..... ہمارے پڑوس کے کسی گھر میں نہیں ہے۔''

''وہ میں شگاگو میں رہتی ہوں نا..... تو شگاگو میں مشہور ہے کہ نیویارک کے ہر گھر میں ایک تہہ خانہ ہوتا ہے۔ بس اسی لیے۔''

''اور کیا کیا مشہور ہے شگاگو میں؟'' لینڈ لیڈی نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہی کہ نیویارک کی عورتیں بہت سلیقہ شعار اور خوش گفتار ہوتی ہیں۔ خوب صورت اور نازک سی۔'' اس نے منہ بنا کر کہا۔

''لیکن میں تو موٹی ہوں.....'' لینڈ لیڈی کی نظروں کی مشکوکیت کم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

''خوب صورت اور نازک جذبات کی حامل.....'' اس نے فقرہ ادل بدل کر کے لینڈ لیڈی کے سپرد کیا۔

اسے تہہ خانہ دے دیا گیا۔ جہاں ایک عدد سنگل بیڈ تھا۔ کونے میں ایک لکھنے پڑھنے کی میز اور اس پر ایک لیمپ۔ وہ اپنا سجا سجایا اپارٹمنٹ چھوڑ کر اس چھوٹے سے تہہ خانہ میں آ چکی تھی۔ انسان کا ماضی گھوم پھر کر اس کے سامنے آ ہی جاتا ہے..... آہ.....

وہاں کوئی اور سامان موجود نہیں تھا۔ فی الحال وہ گھر میں گھوم پھر کے ڈائری نہیں ڈھونڈ سکتی تھی۔ لینڈ لیڈی اس پر کڑی نظر رکھتی تھیں۔ پہلے اسے اپنا اعتماد بحال کرنا تھا۔ پھر لینڈ لیڈی سے بات کرنی تھی۔

''آپ کا گھر بہت صاف ستھرا ہے' کوئی کاٹھ کباڑ وغیرہ نہیں ہے۔''اس نے ایک دن ایسے بات شروع کی۔

لینڈ لیڈی نے ایک آہ سی بھری۔''بہت کچھ تھا' سب چلا گیا۔''

''کہاں.....''اس کی نظروں کے سامنے ٹیلر کا چڑیا گھر گھوم گیا۔

''چور کے ہاتھوں'چور بازار.....''

''اوہ.....بہت دکھ ہوا.....''

''میری سالگرہ پر پاپا نے مجھے ایک لیمپ گفٹ کیا تھا۔ہاتھی کی کھال کا تھا.....بہت پیارا اور نازک سا تھا۔''

''ہاتھی کی کھال اور نازک۔''اس کے منہ سے پھسل گیا۔(اف پھر سے لیمپ کا قصہ)

''تم کیا جانو.....''

''اتنا ہی پیارا تھا وہ لیمپ تو اسے تہہ خانے کے کوٹھ کباڑ میں کیوں پھینکا ہوا تھا۔سنبھال کر رکھتیں نا۔''

وہ آہیں بھرتے بھرتے چونک گئیں۔''تمہیں کیسے پتا کہ وہ تہہ خانے کے کاٹھ کباڑ میں پڑا ہوا تھا؟؟''

اس کا نیچے کا سانس نیچے اور اوپر کا اتنا اوپر رہ گیا کہ وہ سیدھے سیدھے اوپر نکل سکتی تھی۔''میرا اندازہ ہے۔''

''جب سے تم آئی ہو'تمہارے سارے اندازے بالکل ٹھیک ثابت ہو رہے ہیں' کون ہو تم؟

''وہ.....میں.....وہ دراصل.....''وہ ایکدم سے رو دی۔آنکھیں رگڑنے لگی۔''میری ماں کے پاس بھی میرے نانا کا دیا ایک لیمپ تھا۔خرگوش کی کھال کا۔وہ میری ماں نے اسے تہہ خانہ میں رکھا ہوا تھا۔ماں سے ایک بار پوچھا کہ وہ اسے ایسے چھپا کر کیوں رکھتی ہے تو انہوں نے کہا کہ جب جب میری نظر اس پر پڑتی ہے تو مجھے تمہارے نانا یاد آتے ہیں۔بس اسی لیے.....وہ میں نے سوچا ہر عورت ایک جیسا سوچتی ہے۔آپ نے بھی اس لیے اسے.....''

اس نے گہری آہ بھری.....''ہاں ہر عورت کا ایک ہی غم ہے۔مجھے اسے دیکھ کر پاپا یاد آتے تھے۔میں نے اسے اچھی طرح سے پیک کر کے' نیچے رکھا ہوا تھا۔لیکن اگر اب وہ مجھے کہیں سے مل جائے تو میں اسے اپنی نظروں کے سامنے رکھوں گی۔کاش وہ مجھے مل جائے۔''

وہ علیزہ کو مل چکا تھا'ٹیولپ پر۔ایک آکشن شاپ پر پڑا ہوا تھا۔پورے ستر ڈالر کا تھا۔وہ ابوبکر کے ساتھ گئی اور لیمپ خرید کر لے آئی۔پھر لا کر لینڈ لیڈی کو دیا اور کہا''کہ ایسے ہی چلتے چلتے یہ پسند آیا گیا تھا تو سوچا آپ کے لیے لے لوں۔''

لینڈ لیڈی تو سانس لینا ہی بھول گئی تھیں۔پھر وہ رونے لگیں۔''یہ تو میرے پاپا والا ہے۔''اسے اٹھا کر'نشانیاں چیک کرنے کے بعد وہ سسکتے ہوئے کہنے لگیں۔

علیزہ نے مسکراہٹ دبائی۔''اچھا.....کیا واقعی.....کیا حسین اتفاق ہے.....''

اب وہ دیر تک اسے سینے سے لگا کر روتی رہیں۔علیزہ کو دادی کے کشن بھی نظر آئے تھے'لیکن وہ کچھ زیادہ ہی مہنگے تھے۔وہ اتنا کچھ افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔یہ پیسے بھی ابوبکر نے دیئے تھے۔لینڈ لیڈی کچھ اتنی خوش تھیں کہ اسے رات کے کھانے کی دعوت دے ڈالی۔

''وہ ایک لڑکی آپ کی کرایہ دار رہی تھی۔ٹیلر نام تھا اس کا۔وہ.....وہ.....اس کا سامان آپ نے رکھا ہوا ہے۔پلیز وہ دے دیں۔ اس سامان میں اس کے فادر کی کچھ تصویریں ہیں' اور کچھ پرانی یادیں.....تو.....'' کھانا کھانے کے بعد اس نے بات شروع کی۔

''تو تم اس چورنی کی فرینڈ ہو.....تمہیں اس نے بھیجا تھا.....'' لینڈ لیڈی کا موڈ بگڑ گیا۔

''نہیں نہیں.....میں اس کی فرینڈ نہیں ہوں۔لیکن بس اتنا جانتی ہوں کہ وہ اپنے سامان کے لیے پریشان ہے۔بس میرا دل اس کے آنسو دیکھ کر نرم پڑ گیا۔میں دوسروں کو درد محسوس کرنے والی لڑکی ہوں۔کسی کو روتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔میں نے سوچا کہ آپ سے بات کر کے دیکھوں۔آپ جیسی رحم دل خاتون ضرور اسے معاف کر دیں گی۔''

رحم دل خاتون نے اسے بے رحمی سے گھورا۔''تمہیں اس نے بھیجا ہے نا.....یہ لیمپ بھی اس نے دیا ہوگا۔یعنی میری چیزیں اس نے چھپا کر رکھی ہوئی تھیں۔میری دادی کا ڈریس بھی اس کے پاس ہی ہوگا۔''

کہانی الٹی پڑ گئی تھی۔دادی کا ڈریس قینچی اور سوئی دھاگے سے ہو کر کٹ پھٹ چکا تھا۔اس نے جلدی سے دُکان کی رسید نکال کر انہیں دکھائی۔''یہ دیکھیں۔لیمپ میں آج ہی خرید کر لائی ہوں۔آپ دکان پر جا کر بھی پوچھ سکتی ہیں۔ورنہ فون کر کے پوچھ لیں۔پورے ستر ڈالر کا آیا ہے۔''

لینڈ لیڈی نے دکان پر فون کیا۔پھر کہیں جا کر اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔اور وہ اسے اپنے ساتھ لے کر ایک لکڑی کی الماری کے پاس آئیں۔لاک کھولا اور سامان کی طرف اشارہ کیا۔

''میں غصے میں تھی تو میں نے بھی اس کا سامان بیچ دیا تھا۔بس یہ تھوڑا بہت بچا ہے' یہ کسی نے خریدا ہی نہیں تھا۔''

وہ ہکا بکا کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ایک پرانا کمبل' کچھ عمر رسیدہ' غم زدہ سویٹر' کچھ ٹوٹے پھوٹے مگ وغیرہ۔بس۔

''اور ڈائری کہاں ہے.....'' وہ چلا اٹھی تھی۔اس کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔

''ڈائری؟'' وہ یاد کرنے لگیں.....''اس چورنی کے بعد ایک لڑکا کرایے دار بن کر رہا تھا یہاں۔میں نے اسے چورنی کی بکس دکھائی تھیں کہ جس کی ضرورت ہے وہ آدھی قیمت پر لے لے۔اس نے پانچ چھ بکس لے لی تھیں.....کوئی ڈائری بھی تھی ان میں.....؟'' وہ پوچھ رہی تھیں

وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔اس کا دل چاہا کہ ہاتھی کی کھال سے بنے لیمپ کو اٹھا کر اپنے اور لینڈ لیڈی کے سر پر دے مارے۔

''بہت دنوں سے تم ملنے نہیں آئیں۔''

ابوبکر پہلی بار اس کے گھر آیا تھا۔اس نے سر کی حرکت سے بیل دی تھی۔شاید اس کا سر کچھ زیادہ ہی زور سے بیل اور دیوار سے ٹکرا گیا تھا۔

''تم مجھے بلا لیتے.....میں آ جاتی.....'' اس کی حالت دیکھ کر اسے افسوس سا ہوا۔

''ماما نے کہا کہ مجھے چلنا پھرنا چاہیے۔''اس نے نظریں چرا کر کہا۔

''تو تم بس واک کرنے کے خیال سے آئے ہو۔''اس کے بے ضرر سے جذبات پر پانی پڑ گیا تھا۔

وہ اپارٹمنٹ کی واحد کھڑکی میں سے پورا سر اور آدھا دھڑ نکال کر باہر دیکھنے لگا تھا۔''ہاں.....''وہیں سے کہا۔

''کھڑکی کے باہر سر نکالو دھڑ نہیں۔ نیچے گر گر اگئے تو کون اٹھائے گا تمہیں۔ سب اس وقت اپنی اپنی جاب پر ہوتے ہیں۔''

''اتنی اونچائی سے گرنے پر انسان نیچے نہیں اُوپر جاتا ہے۔''سر کو کھڑکی سے باہر رکھتے ہوئے اس نے مڑ کر اسے دیکھا اور زیر لب ہنسا دیا۔ پھر وہ کھڑکی کے پاس رکھی واحد چیئر پر بیٹھ کر جھولنے لگا۔ بالکل بچوں کی طرح' جیسے وہ کبھی راکنگ چیئر پر بیٹھا ہی نہ ہو۔

''اچھا لگ رہا ہے یہاں آ کر۔ پر یہاں شور بہت ہے۔ تمہارا گھر بھی اچھا ہے' چھوٹا سا ڈربہ۔ شروع بھی نہیں ہوتا اور ختم ہو جاتا ہے۔ ایسے اپارٹمنٹ کو کیا کہتے ہیں میکرو اپارٹمنٹ.....تم تو واقعی میں بہت غریب ہو بھئی.....یہ راکنگ چیئر کتنے کی لی تھی؟''

''یہ پہلے کرایے دار کی تھی' فری ملی ہے۔''

وہ ہنس دیا۔''تمہاری قسمت کافی اچھی لگتی ہے۔''

''اچھی ہوتی تو تم سے ملتی.....''وہ طنز کر رہا تھا تو اس نے بھی کر دیا۔

اس کی مسکراہٹ غائب سی ہو گئی۔ وہ سوری کہنے ہی والی تھی کہ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا' اور گردن کو سیدھا کر کے باہر کی طرف جانے لگا۔ اس کی چال میں اتنی تیزی تھی کہ وہ بھی تیزی سے اس کی سمت لپکی اور عین اس کے منہ کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ زیادہ فاصلہ نہیں رہا تھا دونوں میں۔ پیچھے کچن کاونٹر تھا' آگے صوفہ.....گھر چھوٹا تھا.....

''آئی ایم سوری.....میں مذاق کر رہی تھی.....''

کوئی اتنا قریب ہو کر ایسے سوری کہے' تو وہ جو دل ہوتا ہے نا' اس کے آس پاس گھنٹیاں سے بجنے لگتی ہیں۔ ابوبکر ہنس دیا اور پہلے دایاں پیر پیچھے کیا۔ پھر بائیں کو بھی شرم دلائی اور ایک قدم دور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ چھوٹے گھر اس لیے بھی اچھے ہوتے ہیں۔

''اور میں بھی مذاق میں ہی جا رہا تھا۔ ماما کہتی ہیں بے وقوفوں کی باتوں کا برا نہیں مانتے۔ بلکہ انہیں ہاتھ سے مار لیتے ہیں۔''

''گھومنے چلیں؟''اس نے ایسی چٹکی بجا کر کہا جیسے کھڑکی سے باہر اس کا ہیلی کاپٹر تیار کھڑا ہو۔

شام تک دونوں ادھر ادھر گھومتے پھرتے رہے۔ ایک پارک میں بیٹھ کر انہوں نے آئسکریم کھائی۔ وہ خود بھی کھاتی رہی' اور سپون سے اسے بھی کھلاتی رہی۔ ٹشو سے اس کا منہ صاف کرتی رہی۔ جب اس کا ہاتھ تھک گیا' تو اس نے اس کی باقی ماندہ آئسکریم خود کھالی۔

''میرے آنے سے پہلے تمہاری زندگی بڑی بے رنگ سے ہو گی۔ ہے نا؟''وہ ایک جھولے پر بیٹھ کر گول گول گھوم رہی تھی۔

''تمہارے آنے سے پہلے میری زندگی بلیک اینڈ وائٹ تھی' اب صرف بلیک ہے.....ہی ہی ہی.....''وہ بھی ویسے ہی جھولے پر بیٹھ کر گھوم رہا تھا۔

''تم ناشکرے ہو' اسی لیے تمہاری کتاب نہیں مل رہی۔ اب وہ کسی اور کے پاس جا چکی ہے۔''

''وہ جس کے پاس بھی جائے' تم اس کے پاس جاؤ' اور اسے میرے پاس واپس لاؤ۔ ورنہ میرے علاج کا خرچ تم برداشت کرو۔ ہیں تمہارے پاس اتنے پیسے؟''

''ہاں میرے پاس بہت کچھ ہے۔ تین فرینڈز کو لون واپس کرنا ہے اس کی رسیدیں۔ لانڈری کا بل' نیکسٹ منتھ کے کرایے کی فکر' اور تیسرے سمسٹر کی فیس کا بھوت..... کیا لینا پسند کرو گے تم؟؟''

اس نے جل کر کہا تو وہ بے ساختہ ہنس دیا۔ اب وہ دونوں روڈ ریسٹورنٹ میں بیٹھے پیزا کھا رہے تھے۔

''تو بس پھر! پوری جان لگا دو اور میری ڈائری واپس لے لو۔''

''تم میری جان ویسے ہی نکال لو نا۔ اور بات سنو! تمہیں کیسے یقین ہے کہ وہ ڈائری جب کتاب کی شکل میں چھپے گی تو ضرور ہی کامیاب ہو گی؟ اور تمہیں بہت سارا پیسہ مل جائے گا۔''

اس کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گی۔ وہ سنجیدہ ہو گیا۔ ''علیزہ! مجھے زندگی میں کوئی ایک آدھ یقین تو اپنے پاس رکھنا ہی ہے نا؟ میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ میری کتاب کامیاب رہے گی..... اگر یہ دو یقین بھی میرے پاس نہیں ہوں گے تو اور کیا بچے گا۔ میں تو بالکل خالی ہاتھ رہ جاؤں گا۔ پھر میرے لیے ایک بھی اور دن زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ وہ اسے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ یہ جانتی ہی نہیں تھی کہ وہ کسی بند غار میں کھڑا ہوا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ ایک مضبوط اونچے لمبے جوان انسان کو جب اس جیسا انسان چمچ بڑھا کر آئسکریم کھلاتا ہے تو وہ کتنا ان کمفرٹ ایبل فیل کرتا ہے۔ اسی لیے ایسا شخص گھر میں بند رہتا ہے۔ وہ لوگوں کو یہ نہیں بتانا چاہتا کہ دیکھو' میں تمہاری طرح نارمل نہیں ہوں۔ تمہیں میرے منہ میں نوالے بھی ڈالنے پڑتے ہیں اور میرا منہ بھی پونچھنا پڑتا ہے۔

''تم ٹھیک بھی ہو جاؤ گے اور تمہاری کتاب بھی کامیاب رہے گی۔ ان شاءاللہ۔'' اس نے پورے یقین سے کہا۔

''میں تمہیں اچھا لگتا ہوں۔'' اس نے ٹیولپ پر ابوبکر کا یہ سوال پڑھا تو ٹیولپ فولڈ کر دیا اور مسکرا کر ابوبکر کی طرف دیکھا۔

''کم بولا کرو' اور زیادہ سنا کرو۔ سمجھے۔ اور اب اٹھو۔ پیسے ویسے تم ساتھ لائے نہیں تھے اور آ گئے تھے سیر کرنے۔ پورے پندرہ ڈالر کے پڑے ہو تم مجھے۔ کتاب کامیاب ہو جائے تو کچھ میرا بھی حساب کتاب کر دینا پلیز۔ اٹھ جاؤ اب.....'' وہ کرسی سے اٹھ کر اس سے چار قدم آگے جا چکی تھی۔ وہ وہیں بیٹھ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔ اگر وہ ٹیولپ کھولتی تو دیکھ لیتی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

''کہ لڑکی مشرق کی ہو یا مغرب کی..... دل کے سوال پر' جواب دینے کے لیے بوکھلا جاتی ہے۔''

جب وہ رات کو سونے کے لیے لیٹی تو اس نے ڈرتے ڈرتے ٹیولپ کھولا۔ اس پر ایک چھوٹا سا دل بنا ہوا تھا۔ اس نے حیرت سے دل کو دیکھا۔ پھر آنکھیں مسلیں۔ ٹیولپ بلینک تھا۔ تو پھر کیا دل اس کی آنکھوں میں بنا ہوا تھا۔ جو اسے ہر جگہ نظر آ رہا تھا۔

ہاں..... کیونکہ ٹیولپ عشق محبت کے کاموں میں نہیں پڑتا۔ وہ جانتا ہے کہ جو ان کاموں میں پڑ گیا وہ کسی اور کام کا نہیں رہتا۔ اور ابھی اسے بہت سے لوگوں کے بہت سے کام کرنے تھے.....

لینڈ لیڈی سے اسے اس لڑکے کی ایک تصویر اور فون نمبر مل گیا تھا۔اس نے فون کیا تو فون بند ملا۔شاید وہ نمبر بدل چکا تھا۔سوشل سائٹس پر ڈھونڈا تو وہاں بھی نہیں ملا۔وہ ملک سے باہر ہو سکتا تھا۔یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اس نے غلطی سے ڈائری لے لی ہو پھر بعد میں غیر دلچسپی سے یہاں وہاں پھینک دی ہو۔بلکہ ضائع ہی کر دی ہو۔ٹیولپ بھی خاموش تھا۔ابوبکر بھی چپ چپ رہتا تھا۔

''تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیتے ہیں کہ ہمیں وہ ڈائری نہیں ملتی تو پھر؟؟''ابوبکر اس سے ملنے یونیورسٹی آیا تھا۔لنچ کے بعد'واک کرتے ہوئے'اس نے اس سے پوچھا تھا۔

''تمہیں برا لگا؟''جواب میں وہ خاموش رہا تھا اس نے پوچھا۔

''نہیں.....''

''تم ڈائری کے خیال کو دل سے نکال نہیں سکتے؟وہ ڈائری تمہاری کل متاع نہیں ہے۔وہ بس تمہاری ایک کوشش ہے۔انسان کا سب کچھ تباہ ہو جائے تو بھی بہت کچھ سلامت رہتا ہے۔اس کی ہمت اور آگے بڑھنے کا جذبہ۔''

''نارمل لوگوں کے لیے ایسی باتیں کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔''

ابنارمل صرف وہی نہیں ہوتا ابوبکر جس میں جسمانی نقائص ہوں۔تمہیں کیا لگتا ہے کہ زندگی کی جنگ صرف تمہارے لیے مشکل ہے؟ کیا یہ مجھ جیسے.....چلو مجھے چھوڑو.....کیا یہ دوسرے مکمل انسانوں کے لیے آسان ہے؟غربت کی چکی میں پسنے والا ہر وہ انسان جو رات دن جان توڑ محنت کرتا ہے پھر بھی اسے دو وقت کی پیٹ بھر روٹی نصیب نہیں ہوتی۔کیا وہ ابنارمل زندگی نہیں گزار رہا؟ ملک سے بدر ہوئے سارے رفیوجی جو کیمپوں میں پڑے ہوئے ہیں'اور صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کے ملک میں خانہ جنگی ختم جائے اور وہ واپس اپنے گھروں کو جائیں' کیا وہ ابنارمل زندگی نہیں گزار رہے؟جو بچے یتیم ہو چکے ہیں'جن نومولودوں کی مائیں مر چکی ہیں'جن کے سروں پر سائبان نہیں'جن کا کوئی سہارا نہیں'جو سالوں سے مہلک بیماریوں سے لڑ رہے ہیں' کیا وہ ابنارمل زندگی نہیں گزارتے؟؟تمہیں کیا لگتا ہے' گونگا بہرا' اندھا'یا ہاتھوں سے معذور ہونا ہی ابنارمل ہونا ہوتا ہے؟ہم سب انسانوں کی زندگیاں کہیں نہ کہیں سے نامکمل ہیں۔لیکن ہاں جہاں بہت سی کمیاں ہوتی ہیں وہاں بہت کچھ موجود بھی ہوتا ہے۔''

ابوبکر یک ٹک اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔دونوں چلتے چلتے رک چکے تھے۔

''تم گونگے بہرے نہیں ہو'بلکہ چند وجوہات کی بناء پر تم صرف بول نہیں سکتے۔تم نے ان لوگوں کے بارے میں سوچا ہے جو سرے سے سن ہی نہیں سکتے۔سرجری کے زریعے تمہاری زبان کے ٹھیک ہونے کے چانسز ہیں'لیکن ان کے بارے میں کیا کہو گے جو کسی بھی طرح کے علاج سے کوئی بھی آواز سننے کے لیے قابل ہی نہیں ہو سکتے۔انہوں نے زندگی میں کبھی کوئی آواز سنی ہی نہیں۔

زندگی تم پر بہت مہربان رہی ہے' کیونکہ اس زندگی نے تمہیں اپنی ہر آواز سنائی ہے۔بارش کی بوچھاڑ'ٹریفک کا شور'ماں کی لوری اور لاڈ'بچوں کے مترنم قہقہے'پرندوں کی چہکار.....اور یہ دیکھو.....مجھے.....''دونوں پیر جوڑ کر وہ اچھلی'اور پیروں کو فٹ پاتھ پر زور سے رگڑا۔

''ایسی اوٹ پٹانگ آوازیں بھی۔ جو مفت ہیں' جن پر تمہارا پورا حق ہے۔ زندگی نے تم سے کچھ چھپا کر نہیں رکھا۔ تمہیں سب دیا ہے۔ تمہارا ایک ہاتھ مفلوج ہے' لیکن ایک کے ٹھیک ہونے کے چانسز ہیں' آج نہیں تو کل یہ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اتنی جلدی سب کچھ ٹھیک نہیں ہوتا۔''

''ہاں..... جلدی سے نہیں ہوتا معجزے سے ہوتا ہے۔ اور یہ معجزہ تمہیں کرنا ہے۔ ہیلن کیلر نے پہلا جملہ کیا بولا تھا؟ جانتے ہو؟ اس نے کہا تھا۔ ''میں گونگی نہیں ہوں۔'' اس جملے کا مطلب جانتے ہو کیا تھا؟ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میرے پاس آواز ہے' اس کا مطلب تھا کہ میرے پاس طاقت ہے۔ میں فتح مند ہو چکی ہوں۔ میں اپنی کمزوری کو مات دے چکی ہوں۔ میں ہیلن کیلر ''میں ایک مکمل انسان ہوں۔''۔ بیس سال اس نے اپنا ہاتھ اپنی ٹیچر کے ہونٹوں اور حلق پر رکھا تھا اور دنیا کا سارا علم نچوڑ لیا تھا۔ تم بیس مہینوں میں تھک گئے ہو؟''

ابوبکر لاجواب ہو چکا تھا۔

''ٹیولپ تمہاری مدد کے لیے آیا ہے' لیکن سچ بتاؤ' کیا تم خود ٹیولپ سے بڑا جادو نہیں ہو؟ تمہاری ہمت اور حوصلہ بذات خود ٹیولپ نہیں ہے؟ اب تک کی انسانی تاریخ میں کتنے بڑے بڑے جادو ہوئے ہیں۔ کیوں اور کیسے؟ صرف اس لیے کہ انسان کے پاس ہر جادو سے بڑا ایک جادو ہوتا ہے۔ اس کی کوشش کا جادو۔ اس کے جنون اور لگن کا جادو۔ خود کو مکمل سمجھنے اور کبھی ہار نہ ماننے کا جادو۔ خدا نے ٹیولپ کو بھیجا لیکن کوشش کے لیے ہمیں ہی موجود رکھا۔ تم سے ملنے سے پہلے میں بہت مختلف تھی' لیکن اب میں بھی بہت بدل چکی ہوں ابوبکر۔ زندگی آسائشوں کو حاصل کر لینے کا نام نہیں ہے۔ کامیاب زندگی دولت اور شہرت' کے گرد نہیں گھومتی۔ کامیاب زندگی اور کامیاب انسان تو وہ ہے جو پہلے خود مضبوط انسان بنے' پھر دوسرے کمزور انسان کو مضبوط بننے میں مدد دے۔ یہ زندگی انسانیت کی خدمت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔''

ابوبکر چپ تھا۔ وہ رات تک چپ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کب اور کیسے وہ اتنا بدل گیا تھا۔ بچپن سے لے کر اس حادثے سے پہلے تک وہ بہت خوش اُمید رہا تھا۔ اس نے کبھی خود کو گونگا نہیں سمجھا تھا۔ اس کے بہت سے پلانز تھے' خواب تھے' جنہیں وہ پورا کرنا چاہتا تھا۔ پھر کیسے ہاتھوں کی معذوری کے بعد اس نے خود کو ادھورا سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ ہنسنا اور قہقہے لگانا ترک کر دیا تھا۔ اپنے خوابوں کو محدود کر لیا تھا۔ وہ کیوں محسوس نہیں کر پایا تھا کہ اس پر مایوسی طاری ہوتی جا رہی ہے۔ ہمت ہارنا شروع کر دی ہے۔ وہ خود کو صفر سمجھنے لگا ہے۔

چند دنوں بعد وہ دوبارہ اس سے ملنے کے لیے گئی تو ابوبکر گھر پر نہیں تھا۔ آنٹی نے بتایا کہ وہ قریب گراؤنڈ میں فٹ بال کھیلنے کے لیے گیا ہے۔

''جب وہ فٹ بال کھیلتا ہے تو اکثر منہ کے بل گر جاتا ہے' اٹھنا اس کے لیے مشکل ہوتا ہے' لیکن پھر بھی وہ چلا گیا۔'' آنٹی کی آنکھیں نم تھیں لیکن چہرے پر خوشی تھی۔ وہ بھی یہی چاہتی تھیں کہ تکلیف سے گزر کر ہی سہی لیکن ابوبکر خود کو زندگی میں شامل کرے۔ پھر انہوں نے اسے کچھ پیپرز دکھائے۔

''ساری ساری رات بیٹھ کر انہیں لکھتا رہتا ہے۔ پینے سے بھیگ جاتا ہے۔ تکلیف سے چہرہ کھنچ جاتا ہے لیکن یہ تو پین کو انگلیوں

میں پھنسا کر لکھتا ہی رہتا ہے۔ٹائپ کرنے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔''

اپنی گم شدہ ڈائری کو بھول کر وہ نئے سرے سے کچھ لکھنا شروع کر چکا تھا۔ان پیپرز پر ٹیڑھی میڑھی چند پانچ سطریں لکھی ہوئی تھیں اور پہلی سطر تھی۔

''میں ایک مکمل انسان ہوں۔''

☆ ☆ ☆

''ایسا تو نہیں کہ وہ یہ دنیا ہی چھوڑ چکا ہو۔'' وہ خود سے محوِ کلام تھی۔اپنے لیے تھوڑی بہت کوکنگ کر رہی تھی۔

''تم کتنی آسانی سے موت کے بارے میں سوچ لیتی ہو۔بہت بری بات ہے۔''۔

اچھی بات یہ تھی کہ پین میں سوس ڈالتے ہوئے ٹیولپ کے طنزیہ فقر کے بعد اسے ایک آواز سنائی دی۔

''میرے خیال سے میں بہرا نہیں ہوں' سن چکا ہوں کہ تمہیں نو بجے پک کرنا ہے۔اگر تمہاری فلائٹ لیٹ ہوئی تو مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا کہ میں وہاں بیٹھ کر تمہارا انتظار کروں گا.....ٹھیک ہے.....بائے.....''

وہ سمجھی ساتھ والے اپارٹمنٹ سے کسی کی آواز آ رہی ہے۔اس نے آواز کو اگنور کر دیا۔جب وہ برتن دھو چکی تو.....تو.....اسے یاد آیا کہ ساتھ والے اپارٹمنٹ میں کیا' پورے فلور میں کوئی لڑکا نہیں رہتا۔تو یہ آواز آئی کہاں سے۔کچن کاؤنٹر پر اس کا موبائل رکھا ہوا تھا۔تو آواز ٹیولپ سے آئی تھی۔اس نے جلدی سے ٹیولپ کو دیکھا لیکن وہ بلینک تھا۔اس نے کوفت سے اسے پٹخ دیا۔یہ کیا بات ہوئی۔اب یہ کون تھا جو ایئر پورٹ جا رہا تھا' یا جہاز سے آ رہا تھا۔وہی کرائے دار لڑکا یا یہ آواز ہی کسی اور کی تھی.....کون سے والے ''نو'' کا کہا تھا۔صبح کے یا رات کے.....دن کون سا تھا.....اس ہفتے یا اگلے ہفتے۔اف.....اس نے ٹیولپ کو اپنے منہ کے سامنے رکھا اور ایک تھپر کھینچ کر مارا۔اگر ٹیولپ انسان ہوتا تو وہ اسے جاب سے برخاست کر دیتی۔بندہ تو پوری اور ٹھیک ٹھیک تفصیل دے۔ورنہ نہ دے۔

وہ پریشان ہو چکی تھی۔آج دن کے نو تو گزر چکے تھے۔رات کے نو بجے سے پہلے وہ آٹھ بجے ہی ایئر پورٹ آ چکی ہے۔وہ ادھر ادھر چل پھر کر لڑکے کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی۔نو سے گیارہ بج گئے لیکن وہاں کوئی نہیں آیا۔

رات کو سونے سے پہلے اس نے صبح جلدی اٹھنے کے لیے الارم لگا دیا۔صبح سنڈے تھا اور وہ بارہ بجے تک سوتی تھی لیکن اب اسے سات بجے اٹھ کر نو بجے سے پہلے ایئر پورٹ جانا تھا۔

وہ اگلے دن صبح ایئر پورٹ پہنچ گئی لیکن گیارہ بجے تک اسے وہاں کوئی نہیں ملا۔اس کے پاس کرایے دار کی جو تصویر تھی' وہ اس تصویر کو اتنی بار دیکھ چکی تھی کہ اسے لگنے لگا تھا کہ اس کی اپنی شکل اس کرایے دار لڑکے جیسی ہو چکی ہے۔

وہ گھر واپس آئی اور رات کو پھر نو بجے سے پہلے' ایئر پورٹ آ گئی۔اسے ہنسی بھی آ رہی تھی اور رونا بھی۔ہنسی اس لیے کہ اس کی زندگی کہاں سے کہاں آ چکی ہے۔رونا اس لیے کہ وہ منحوس آ کر کیوں نہیں دے رہا' جو فون پر بات کر رہا تھا۔

وہ منحوس آ چکا تھا۔وہ پک کرنے کے لیے آیا تھا۔بار بار ریسٹ واچ کی طرف دیکھ رہا تھا۔نو بجنے میں ابھی پورے سات منٹ تھے

کہ علیزہ نے اس کے بارہ بجا دیئے۔

''تم جسے پک کرنے آئے ہو اس کی فلائٹ پورے تیس منٹ لیٹ ہے۔ میں تم سے ملنے کے لیے آئی ہوں (جمائی لیتے ہوئے) اور میں۔ میں تمہارا یہاں تین سال..... مطلب تین دن سے انتظار کر رہی ہوں۔''

وہ حیران ہو کر اس عجیب و غریب لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے شاید تین دن سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا اسی لیے بے چاری بہک گئی تھی۔

''تم مسز نوبیتا..... اوہ میرا مطلب مسز جارج کے گھر پے انگ گیسٹ رہ چکے ہو۔ وہاں تم نے ان سے کچھ بکس خریدی تھیں، جن میں ایک ڈائری بھی تھی۔ مجھے وہ ڈائری واپس چاہیے کیونکہ وہ کسی اور کی ملکیت ہے۔ اور دیکھو! کوئی ہوشیاری نہیں دکھانا۔ میرے دو آدمی تم پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔'' چوتھی جمائی کو بمشکل روکتے ہوئے اس نے بمشکل ہی کہا۔

لڑکے نے گردن موڑ کر آس پاس دیکھا اور پھر قہقہہ لگا دیا۔ ''کوئی پرانک کر رہی ہو؟ کیمرہ کہاں چھپایا ہے۔''

''میں تھپڑ ماروں گی اور وہ تمہارے منہ پر چھپے گا۔'' وہ یہ کہنا چاہتی تھی، لیکن کہہ نہیں سکی۔ ساری دنیا کے کام چھوڑ کر وہ اس کا انتظار کرتی رہی تھی اور اب وہ قہقہے لگا رہا تھا۔

بہر حال دس منٹ کی بحث و تکرار کے بعد وہ دونوں اگلے دن ایک جگہ مل بیٹھ کر بات کرنے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ اگلے دن جب وہ وقت مقررہ پر اس کے ڈیپارٹمنٹ گئی تو وہ گھاس پر سینے کے بل لیٹ کر لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا۔

''تم ڈائری لے آئے ہو.....'' وہ گھاس پر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

''میں نے کب کہا تھا کہ میں ڈائری لاؤں گا۔''

''تم نے کہا تھا کل آنا اور لے جانا.....'' وہ غصے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''ہاں کہاں تھا..... کل آنا اور ''انکار'' لے جانا..... میں ڈائری نہیں دوں گا۔ دے دیا ''انکار'' اب جاؤ۔''

اس کا خون کھول کر رہ گیا۔ یہ تو بدتمیزی کی حد تھی۔ ''دیکھو کسی کی چیز پر پرایسے قبضہ نہیں کرتے۔''

''میں نے کسی کی چیز پر قبضہ نہیں کیا۔ میں نے اس گھر کی مالکن سے وہ خریدی ہے۔ پیسے دیئے ہیں اسے۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا، اس نے اسے چوری نہیں کی تھی۔ قبضہ بھی نہیں کیا تھا۔ جیسے نیلامی میں لوگ چیزیں خرید کر ان کے مالک بن جاتے ہیں، ویسے ہی وہ بن چکا تھا۔ اب اس سے کوئی بھی وہ ڈائری واپس نہیں لے سکتا تھا۔

''وہ ڈائری تمہارے کسی کام کی نہیں ہے، لیکن وہ ابوبکر کے بہت کام کی ہے۔ وہ سرجری کروانا چاہتا ہے۔ زندگی میں آگے بڑھنا چاہتا ہے۔''

''تو تم یہاں میرے سر پر کھڑی کیا کر رہی ہو۔ تم بھی آگے بڑھو..... شاباش.....''

غصے سے کھولتے ہوئے اس نے مٹھیاں بھینچ لیں اور بہت ضبط سے کہا۔ ''تم اس ڈائری کے بدلے میں کیا لو گے؟''

وہ حیران سا ہوا۔خود بھی اٹھ کر اس کے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا۔''تم کچھ بھی دے سکتی ہو.....کچھ بھی؟''

''میں کوشش کروں گی۔لیکن دیکھو بے وقوفوں کی طرح پیسے نہ مانگ لینا۔کوئی ایسا کام جو میں کر سکوں۔''

وہ ٹھوڑی کھجانے لگا۔شاید وہ سچویشن انجوائے کر رہا تھا۔''تم میری گرل فرینڈ سے میری بات کروا سکتی ہو؟؟''

''تم خود بات کر لو.....فون کر لو.....مریخ پر تو نہیں رہتی نا وہ.....؟''

''اس زمین پر نہیں رہتی.....وہ مر چکی ہے.....''

''تو تم بھی مر مرا جاتے۔''اس نے سوچا لیکن کہا نہیں۔کہا اس نے یہ۔''مجھے مردہ لوگوں سے بات چیت کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔تم کچھ اور کہوں شاید میں وہ کر سکوں۔''

''یہ کر سکتی ہو تو ٹھیک ہے.....ورنہ بائے بائے.....''اس نے ہاتھ ہلایا۔

''ہائے ہائے.....''اس کا دل دہائی دیتے ہوئے دکھ سے لہرایا۔وہ سوچنے لگی۔شاید ٹیولپ اس سلسلے میں کچھ کر سکے۔

''اچھا اپنی گرل فرینڈ کا نام وغیرہ بتاؤ۔یا کوئی تصویر دے دو'میں کوشش کروں گی۔''

وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔اسے توقع نہیں تھی کہ وہ ہاں کہہ دے گی۔اس نے جیب میں سے موبائل نکالا۔گیلری تک گیا۔ایک تصویر نکالی اور اسے علیزہ کے منہ کے سامنے کر دیا۔

''یہ ہے وہ.....''

اور آپ جانتے ہیں کہ''وہ''کون ہے۔یہ وہی وہ ہے جس کے کارڈز پڑھ کر علیزہ نے کہا تھا کہ وہ ایک سائنس دان یا ڈاکٹر بنے گی۔لیکن جو خودکشی کر کے''مردہ''بن چکی تھی.....

اوہ.....''بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔تو اس کی اصل سزا یہ تھی۔اس نے اپنی پیشانی کو ہاتھ سے ٹھونکا۔

گھر آ کر اس نے ٹیولپ پر لڑکی کا نام لکھا تھا۔اس پر اس کی تصویر بھی رکھی تھی لیکن ٹیولپ نے کوئی رسپانس نہیں دیا تھا۔وہ جانتی تھی کہ ایسا کچھ نہیں ہو سکتا۔وہ ایک مردہ لڑکی سے بات کرنا چاہتا تھا'اور ٹیولپ مردہ لڑکی سے بات کروا نہیں سکتا تھا۔اب ڈائری کا اصلی مالک بھی وہی تھا۔وہ جس شرط پر چاہے'اس شرط پر انہیں ڈائری واپس دے سکتا تھا۔وہ دھونس سے اس سے ڈائری واپس نہیں لے سکتے تھے۔نہ پولیس کے ذریعے نہ ہی عدالت کے ذریعے۔

وہ ابوبکر سے ملنے کے لیے گئی تو آنٹی ڈاکٹر سے فون پر بات کر رہی تھیں۔وہ بہت پر جوش تھیں۔شاید ڈاکٹر نے انہیں کوئی اچھی خبر سنا دی تھی۔ایک ماں کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش اپنے بیٹے کو تندرست دیکھنے کی تھی۔انتظار تھا تو بس پیسوں کا۔اور بات صرف پیسوں کی بھی نہیں تھی۔بات اس کامیابی کی تھی جس کی ابوبکر کو اب ضرورت تھی۔اس یقین کی تھی'جو اس کے پاس موجود رہنا چاہیے تھا۔اس کی اپنی چیز.....اس کا اپنا کام.....اس کی اپنی قابلیت.....

کتنے ہی دن اور پھر ہفتے بھی گزر گئے لیکن کچھ نہیں ہوا۔نیویارک میں سردی بڑھ گئی۔ایک دن برف باری کے دوران ابوبکر اس سے ملنے کے لیے آیا۔اس کی ناک اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''اتنی ٹھنڈ میں تم گھر سے باہر کیوں نکلے.....''

''ماما نے کہا چلنا پھرنا اچھا ہوتا ہے.....''اس کے پاس بولنے کے لیے ایک یہی جھوٹ'ایک یہی بہانہ رہ گیا تھا۔

اس نے لب بھینچ لیے۔''تو تم چلتے پھرتے میرے گھر تک ہی کیوں آتے ہو؟؟''

''اور کہاں جاؤں؟؟''اگر وہ منہ سے بول سکتا تو اس کی آواز میں بڑی معصومیت ہوتی'اور محبت بھی۔

اس نے ابوبکر کو لڑکی کی تصویر دکھائی۔''یہ لڑکی مر چکی ہے'اور ہیری اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔وہ پھر ہی ڈائری دے گا۔''

ابوبکر چونک گیا۔''ابھی کل ہی تو ماما نے اس سے ویڈیو کال پر بات کی ہے۔اس کے فادر میرا کیس دیکھ رہے ہیں۔یہ اپنے فادر کے مریضوں کی کالز وغیرہ اٹینڈ کرتی ہے۔ان کا ریکارڈ دیکھتی ہے اور میٹنگ ارینج کرواتی ہے۔''

وہ حیران ابوبکر کی شکل دیکھ رہی تھی.....''وہ اس سے ملتی جلتی کوئی اور لڑکی ہوگی۔''

ایسا ہو سکتا تھا'لیکن اس تصویر کو غور سے دیکھو۔اس لڑکی کے کان پر زخم کا نشان نمایاں نظر آ رہا ہے۔جو لڑکی ہم سے بات کرتی ہے اس کے کان پر بھی ایسا ہی نشان ہے۔''

اسے یاد تھا کہ اس کے کان پر چوٹ کا نشان بہت نمایاں تھا۔یہ کسی بچپن کی چوٹ کا نشان تھا۔وہ حیران پریشان ابوبکر کو دیکھ رہی تھی۔اس نے ابوبکر کا فون نکالا اور لڑکی کو اسی وقت ویڈیو کال کی۔کال پک کر لی گئی'اور.....

''ہیلو مسٹر ابوبکر! آپ کی اپوائمنٹ کل صبح دس بجے کی ہے۔اس وقت آپ سے بات نہیں ہو سکتی۔''

علیزہ نے ایکدم سے اپنا چہرہ فون کے سامنے کر دیا۔''میں تمہیں یاد ہوں.....علیزہ۔میں شگاگو میں ہوتی تھی۔تم اپنی فرینڈ کے ساتھ میرے پاس آئی تھیں۔تم نے کہا تھا کہ میں تمہارے لیے کارڈ پڑھوں۔میں نے کہا تھا کہ تم بہت بڑی ڈاکٹر بنو گی.....یاد ہے.....یاد کرو.....''

وہ ایکدم سے پریشان سی ہو گئی۔''کون ہو تم.....؟؟''

''زیادہ پرانی بات نہیں ہے.....میں بھی اسکول میں تھیں اور تم بھی۔تم دلبرداشتہ ہو گئی تھیں اور تم نے خودکشی کر لی تھی۔تم مر گئی تھیں.....''

''اوہ ہاں.....میں تو مر گئی تھی.....''

''تو اب تم زندہ کیسے ہو گئی ہو؟''

وہ زندہ ہی تھی۔باپ پر پریشر ڈالنے کے لیے اس نے خودکشی کی تھی۔لیکن باپ نے اسے بروقت بچا لیا تھا۔پھر وہ نیوزی لینڈ چلے گئے تھے۔اپنی خودکشی کی خبر اس نے خود ہی بڑھا چڑھا کر پھیلا دی تھی۔وہی ٹین ایجرز کی بے وقوفانہ حرکتیں۔اس کے باپ نے اسے

میوزک اسکول جانے کی اجازت دے دی تھی۔لیکن میوزک کا بھوت چار چھ مہینے میں اتر گیا تھا۔وہ باپ کی خواہش کے مطابق سائنس پڑھنے لگی تھی۔وہ ڈاکٹر بن رہی تھی اور ساتھ ساتھ اپنے ڈاکٹر باپ کے لیے کام بھی کر رہی تھی۔

''تمہارا بوائے فرینڈ ہیری بھی کہہ رہا تھا کہ تم مر چکی ہو۔''

''اس سے جان چھڑانے کے لیے ایک خودکشی کا ڈرامہ میں نے اس کے ساتھ بھی کر دیا تھا۔''

اچھی ڈرامے باز لڑکی تھی وہ۔جان پر کھیل کھیل کر جان چھڑا رہی تھی۔

''اب میری بہن!ایک بار اور جان پر کھیل کر میری جان بھی آزاد کروا دو۔وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔تم اس سے بات کر لو اور ہمیں ہماری ڈائری دلوا دو۔''

معاملات طے ہو گئے.....آیئے آگے دیکھتے ہیں کیا ہوا.....

جیسے کانووکیشن تقریب کے لیے اسٹوڈنٹس تیار ہو کر،بن ٹھن کر جاتے ہیں۔ایسے ہی وہ دونوں تیار شیار ہو کر ہیری کے پاس یونیورسٹی ڈائری لینے پہنچ گئے تھے۔ابوبکر نے آج سرمئی رنگ کا نیا کوٹ پہنا تھا۔اس نے بھی ایک عدد نئی جیکٹ پہنی تھی۔پاپا نے اسے کچھ پیسے بھجوائے تھے،جس سے اس نے شاپنگ کر لی تھی۔آج اسے یقین تھا کہ کام بن جائے گا۔

''میں نے تمہاری مردہ گرل فرینڈ سے سارے معاملات طے کر لیے ہیں،اب تم جب چاہو اس سے بات کر سکتے ہو۔''علیزہ کے انداز میں بڑی اتراہٹ تھی۔جیسے وہ ڈائری لینے نہیں ''گولڈ میڈل'' لینے آئی ہو۔

''اچھا.....کیا واقعی.....''وہ برگر کھا رہا تھا۔وہی کھاتا رہا۔

''ہاں.....تم ڈائری لے آنا۔مجھے چیک کروا دینا۔ہم دیکھیں گے کہ وہ اصلی ہے یا نہیں۔میں اسی وقت تمہاری اس سے بات کروا دوں گی۔''

وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔''کیا واقعی.....''(اسے ہنسی بھی آ رہی تھی)

''ہاں میرے باپ.....ہاں.....تمہارے لیے میں نے ایک مرے ہوئے انسان کو ڈسٹرب کیا ہے۔اسے بات کرنے پر آمادہ کیا ہے۔اب تمہیں یقین کیوں نہیں آ رہا۔''اس نے عاجز آ کر جھنجلا کر کہا۔

برگر چباتے چباتے وہ رک گیا۔تھوڑا سا چونک گیا۔''میں نے مذاق میں کہا تھا،تم نے واقعی شرلا سے رابطہ کر لیا ہے؟''

''وہ سب میں نہیں جانتیں۔میرا اس سے رابطہ ہو چکا ہے۔تم ڈائری دو،اس سے بات کرو اور ہمیں آزاد کرو۔''

''میں نے تم دونوں کو قید ہی کب کیا ہے بھئی۔اچھا کیا ابھی ایک گھنٹے میں میری اس سے بات ہو سکتی ہے۔میں اپنے ہوسٹل سے ڈائری لے کر آتا ہوں۔''

''ہاں جاؤ.....ڈائری لے آؤ.....اور جلدی آنا۔''

وہ ایک گھنٹے کی بجائے تیس منٹ میں واپس آیا تھا۔تب تک وہ دونوں ایک ایک برگر کھا چکے تھے۔ان کے چہروں پر بڑا اطمینان تھا۔ابوبکر تو مسکرا بھی رہا تھا۔لیکن علیزہ کا دل دھڑک رہا تھا۔کوئی بھی چار سو بیسی ہو سکتی تھی۔

''یہ رہی تمہاری ڈائری.....اب شرلا سے رابطہ کرو۔''اس نے ذرا دور سے چلا کر کہا۔

''ڈائری کو کھول کر دکھاؤ۔پوری بھی ہے یا نہیں۔''

وہ ڈائری کے صفحے کھول کھول کر لہرانے لگا۔ابوبکر نے ہاں میں سر ہلایا تو علیزہ نے اطمینان کا سانس لیا۔دل تو اس چاہ رہا تھا کہ چکما دے کر اس کے ہاتھ سے ڈائری چھین لے.....لیکن.....

''اگر میری شرلا سے بات نہ ہوئی تو میں اسے ابھی جلا دوں گا۔سمجھیں۔مجھے پاگل بنانے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔''اس نے لیٹر نکال کر انہیں دکھایا۔

''یہ کوئی فلم نہیں ہے'جہاں دھوکا دہی'جعلسازی وغیرہ ہو گی اور انجام میں سچ کی جیت ہو گی۔میں تمہیں پہلے شرلا کی آواز سناؤں گی۔پھر اسے دکھاؤں گی بھی'یعنی ویڈیو کال.....پھر تم یہ ڈائری دے دینا۔پھر وہ میرے اشارے پر تم سے مزید بات کرے گی۔اوکے؟''

''اوکے.....''اس نے سر ہلایا۔

اس نے کال ملائی'شرلا آن لائن آئی۔جولڑکی مرنے کے اتنے ڈرامے کر چکی تھی'وہ مرنے کے بعد کے بھی کر سکتی تھی۔اس نے سفید ڈریس پہن لیا تھا۔بال کھلے ہوئے تھے۔پیچھے کا ماحول بڑا ہی دھواں دھواں'خواب ناک سا تھا۔علیزہ نے بمشکل اپنی ہنسی چھپائی۔پہلے اس نے بہت اخلاق کے ساتھ''روح''سے سلام دعا کی۔پھر اس نے فون کو گھما کر ہیری کی طرف کیا۔اس کا رنگ فق ہو گیا۔وہ اپنی جگہ سے ہل ہی نہیں سکا۔

''میں میں سمجھا تم مجھے پاگل بنا رہی ہو بس۔میں بھی انجوائے کرنے کے لیے تمہارے ڈرامے کا حصہ بن گیا۔لیکن یہ تو سچ میں.....''وہ ہکلانے لگا۔

پھر علیزہ نے فون اس کے ہاتھ میں دیا اور ڈائری اس کے ہاتھ سے لے لی۔''یہ لو اور جتنا دل چاہتا ہے روح سے بات چیت کو انجوائے کرو۔چاہو تو اسکرین میں ہاتھ ڈال کر اس کا گلا دبا دو.....''

شرلا نے اپنے مرنے کا ڈرامہ اتنی شفافیت سے کھیلا تھا کہ اس کے زندہ ہونے کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔وہ بے چارا ہکا بکا شرلا کو دیکھے جا رہا تھا۔

پانچ منٹ کی بات کے بعد ظاہر ہے کہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ سچ جھوٹ کیا ہے۔گلے شکوے شروع ہو گئے۔دو بچھڑے ہوئے دوبارہ سے مل گئے تھے۔علیزہ نے اس کے شانے پر جا کر ہاتھ رکھا۔

''میرا فون واپس کر دو'اور اپنے فون سے اس''روح''سے باتیں کر لو۔ہمیں اب اجازت دو'خدا حافظ.....''

جس وقت وہ ہیری سے اپنا فون لے رہی تھی'اس وقت ابوبکر گھاس پر تیز تیز بھاگ رہا تھا۔وہ ڈائری کو اس کی کوٹ کی جیب میں

ڈال چکی تھی۔وہ خوش تھا اور اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔یہ کامیابی معمولی تھی یا غیر معمولی' لیکن یہ اس کی زندگی میں تبدیلی لانے والی تھی۔پھول بے رنگ ہی کیوں نہ ہو' وہ پھول ہوتا ہے۔زندگی مشکل ہی کیوں نہ ہو، زندگی ہوتی ہے اور ہر مشکل کے بعد آسان ہو ہی جاتی ہے۔

زندگی ایک دم سے نہیں بدل جاتی۔یہ ٹریک سے اُترتی ہے تو اسے ٹریک پر آنے میں وقت لگتا ہے۔یونیورسٹی سے آنے کے بعد وہ ابوبکر کے گھر جایا کرتی تھی۔وہ بولتا تھا' اور وہ لکھتی تھی۔اس کی کتاب ادھوری تھی۔وہ اسے مکمل کر رہی تھی۔غیر ضروری چیزیں نکال رہی تھی۔اکثر لفظوں اور جملوں پر ان کی تکرار ہو جاتی تھی' لیکن کرتی وہ اپنی مرضی تھی۔اس کا خیال تھا کہ اس کتاب پر اس کا بھی حق ہے۔ابوبکر اس کے حق کو تسلیم کر لیتا تھا۔وہ اسے بھی تسلیم کر چکا تھا اور اس بات کو بھی وہ اس کے ساتھ موجود ہے.....اور شاید ہمیشہ رہے.....

کتاب مکمل ہو چکی تھی لیکن وہ شائع نہیں ہو رہی تھی۔میں نے کہا نا' زندگی میں ہر کام اتنا آسان نہیں ہوتا۔قدم قدم پر پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔کہیں تاریک جنگلوں اور کہیں دلدلی راستوں سے واسطہ پڑتا ہے۔کتنے ہی پبلشرز اسے رد کر چکے تھے۔اب وہ پریشان ہوتی تھی لیکن ابوبکر ہنس دیا کرتا تھا۔ظاہر ہے کہ وہ بدل چکا تھا۔بات صرف ڈائری کے ملنے کی نہیں تھی' اس نے اس سے پہلے ہی خود کو بدل لیا تھا۔ٹیڑھی میڑھی لکھائی سے اس نے ایک عدد پیپر لکھ لیا تھا جس میں اس نے لکھا تھا کہ ''یہ میری کتاب ہے' میں نے لکھی ہے' آپ اسے شائع کرنے میں دلچسپی لیں گے؟؟ہاں اور ناں کا فیصلہ اسے ایک بار پڑھ کے بعد کیجئے گا۔اس سے پہلے اسے رد مت کیجئے گا۔شکریہ۔''

وہ ایک سے دوسرے پبلشر کے پاس جا رہا تھا۔اپنا مسودہ انہیں دے رہا تھا۔ناکامی پر کچھ دیر کے لیے منہ بھی لٹکا لیتا تھا' لیکن پھر اگلے دن گھر سے نکل جایا کرتا تھا۔چند مہینوں کی جان توڑ کوشش کے بعد ایک این جی او نے ان کی تھوڑی سی مدد کی اور انہیں ایک پبلشر مہیا کر دیا۔

کتاب آئی اور چھا گئی.....

ایسا نہیں ہوا تھا۔وہ ہفتوں اور مہینوں میں سست روی سے کامیاب ہوئی تھی۔شروع میں ایک مقامی نیوز پیپر نے اس پر چھوٹا سا تبصرہ کیا تھا۔اگلا تبصرہ پانچ مہینے بعد آیا تھا۔جب کتاب نے آہستہ آہستہ کامیاب ہونا شروع کر دیا تھا۔

اس دوران ابوبکر کا سن بازو کچھ کچھ کام کرنے لگا تھا۔کیونکہ اس کا آپریشن کامیاب رہا تھا۔فزیوتھراپسٹ کا کہنا تھا کہ وہ جلد ہی نارمل لوگوں کے ہاتھ کی طرح حرکت کرنے لگے گا۔آپریشن سے بہت پہلے' تکلیف سے گزر کر ہی سہی لیکن ابوبکر نے بازو کو حرکت دینا شروع کر دیا تھا۔ہر بار جب وہ بازو کو معمولی سی حرکت بھی دیتا تھا تو تکلیف سے اس کی رگیں کھینچ جاتی تھیں۔اس کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں لیکن وہ اس تکلیف کو اپنی زندگی میں خوش آمدید کہہ چکا تھا۔

اس وقت تک اس کی کتاب کی شہرت بڑھنے لگی تھی۔اسے لیکچرز کے لیے بلایا جاتا تھا۔اس نے لٹریری فیسٹول میں شرکت بھی کی تھی۔وہ پھر سے موبائل ایپ کے استعمال سے بولنے لگا تھا۔وہ مائیک پر لیکچر بھی ایسے ہی دیتا تھا۔وہ خوش تھا۔وہ مطمئن تھا۔جہاں نارمل

اور مکمل لوگ ڈیپریشن کا شکار تھے وہ ادھورا ہو کر بڑا شاکر تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ جب ہم کسی بڑی تکلیف یا کسی مشکل سے گزرتے ہیں تو پھر ''مثال'' بن کر ابھرتے ہیں۔ وہ مثال بن چکا تھا۔

''یہ کتاب لکھی اس نے ہے' لیکن اسے ڈھونڈا میں نے ہے۔ مکمل بھی کروایا ہے۔'' پاپا ابوبکر کا لیکچر سننے کے لیے آئے تھے۔ اس نے جھک کر ان کے کان میں کہا تھا۔ وہ دونوں پہلی رو میں بیٹھے تھے۔ پاپا ابوبکر سے بڑے متاثر تھے۔ کتنی ہی بار اس کی کتاب پڑھ چکے تھے۔

''بیٹا اتنی لمبی لمبی نہیں چھوڑتے' مسافروں کی ٹرینیں چھوٹ جاتی ہیں۔''

''آپ کی کبھی چھوٹی.....؟؟'' وہ چڑ گئی۔ اس کے سگے پاپا تک یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ اس کتاب کو حاصل کرنے میں اس کا بھی کوئی کمال ہو سکتا ہے۔

''تمہیں اپنا کمال ثابت کر کے کون سا ایوارڈ لینا ہے؟؟'' ٹیولپ پر لکھا تھا۔ اچھا تو ٹیولپ طنز بھی کر سکتا تھا۔

''کوئی کمال کر ہی دکھایا تو شکر ادا کرو کہ اللہ نے کسی اچھے کام کے لیے تمہارا انتخاب کیا۔ چپ رہو اور پھر بھول جاؤ.....'' ٹیولپ اچھے سبق بھی دے سکتا ہے۔ وہ بے ساختہ مسکرانے لگی۔

''تم نے اپنے ان فرینڈز کا ذکر کیوں نہیں کیا' جنہوں نے تمہارے ساتھ فراڈ کیا تھا۔ تمہیں ساری دنیا کو بتانا چاہیے کہ لوگ کتنے برے ہیں۔'' اس دن اس کا ٹی وی پر انٹرویو تھا۔ اور اس نے بس اچھی اچھی باتیں ہی کیں تھیں۔ جبکہ وہ شکوہ کر رہی تھی۔

''میں بھی تو برا ہوں اور تم بھی۔ اگر انہوں نے میرے ساتھ فراڈ کیا تھا تو بدلے میں اللہ نے میرے لیے معجزہ بھی تو کیا۔'' ٹیولپ'' کا۔ جب اللہ نے ہر طرح سے میری مدد کر دی تو میں ان چند لوگوں کی دھوکے بازی کا شکوہ کیوں کروں؟ پھر اگر میں سب کے چہروں سے نقاب اتارنے لگا تو یہ دنیا بہت بدصورت ہو جائے گی۔ کیونکہ ہم سب ہی کسی نہ کسی نقاب کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں۔''

اسی لیے اس کی کتاب اتنی زیادہ پسند کی جا رہی تھی کیونکہ وہ احساسات کی کہانی تھی۔ ''بے حسی'' کی نہیں۔

اس کا اگلا آپریشن زبان کا تھا۔ وہ نیوزی لینڈ جا چکا تھا۔ ایگزمز کے بعد اسے بھی گھر واپس چلے جانا تھا لیکن.....

اس کے واپس جانے سے کچھ دن پہلے..... ایک واقعہ ہوا..... چھوٹا سا.....

وہ روڈ کراس کر رہی تھی' بارش ہو رہی تھی۔ چھاتا اس کے ہاتھ میں تھا' اور کوئی بہت شدت سے' پوری قوت سے اس سے ٹکرایا تھا۔ وہ گھوم کر گر گئی تھی۔ چھاتا بھی دور جا گرا تھا..... اور کسی کا دل اس کے قدموں میں.....

''تمہیں چوٹ تو نہیں آئی؟؟ مجھے تمہیں ایسے گرا کر کوئی خوشی تو نہیں ہوئی' لیکن کیا کروں' سوچا کچھ پرانی یادوں کو تازہ کر لینا چاہیے۔''

اس بار اسے اٹھنے میں مدد دینے کے لیے اس نے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تھا۔ اس کی آواز خوبصورت تھی۔ اسے بولنے میں دقت ہوئی تھی لیکن شاید وہ اس فقرے کی بہت زیادہ مشق کرتا رہا تھا۔ کراسنگ پر گرے گرے وہ یک ٹک اسے بولتے ہوئے سن رہی

تھی۔اس کے بھیگے بالوں سے بوندیں گرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔وہ آج بھی چھاتا نہیں لایا تھا..... کیوں..... کیونکہ اپنے اکلوتے ہاتھ کو اسے علیزہ کی طرف بڑھانا تھا۔

''تم واپس کب آئے؟تمہاری سرجری کامیاب رہی۔''اس کا ہاتھ تھام کر وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''ہاں..... میں نے کہا نا!میرے پاس دو ہی چیزیں تھیں جن پر مجھے یقین رکھنا تھا۔ایک اپنی گویائی پر ایک اپنی کتاب پر۔اللہ نے میرے دونوں یقین کامل کیے۔''

وہ بڑے دل سے مسکرائی۔ابوبکر نے سر اٹھا کر بارش برساتے آسمان کی طرف دیکھا۔اب وہ گنگنا سکتا تھا۔

''آج بادل بھی مجھ سے کوئی داستان کہنے آئے.....آئے.....آئے.....''

اس نے علیزہ کی کمر میں اپنا بازو حمائل کیا تو علیزہ نے اپنی چھتری کو اوپر اٹھا کر اس پر سایہ کر دیا۔

میں نے کہا تھا نا۔''زندگی ساحر ہے اور ہم اس کا''جادو''۔

علیزہ کی جیب میں رکھا ٹیولپ جگمگ جگمگ کرنے لگا تھا۔اس کا کام مکمل ہو چکا تھا۔تو اب''ٹیولپ''کیا کرے گا؟؟کہاں جائے گا؟

پریشان نہ ہوں۔وہ جا رہا ہے.....کسی اور علیزہ اور ابوبکر کے پاس.....شاید آپ کے پاس.....ورنہ یقیناً میرے پاس.....

The End